اہل قرآن و اہل حدیث

تصویر کا دوسرا رخ

مولانا محمد عبد القوی مد ظلہ
ناظم ادارہ اشرف العلوم [illegible] حیدرآباد

ناشر ادارہ اشرف العلوم [illegible] حیدرآباد

فتنۂ انکار حدیث

ایک سرسری جائزہ

پیش کردہ در اجلاس

هيئة الشريعة ٹامل ناڈو

بتاریخ : ۲۵/جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ م ۲۶/اگست ۲۰۰۰ء

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

احوالِ واقعی

انکارِ حدیث کا فتنہ ادھر کچھ دنوں سے مختلف عنوانات اور مختلف مباحث کے در پردہ تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی تھی ان کا اسلوب عالمانہ و ناقدانہ تھا۔ جس میں گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد اصلاح کی کچھ نہ کچھ توقع تھی، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں اب اس نظریہ و تحریک کی باگ ڈور ہے، ان کا طریق کار انتہائی جاہلانہ و ظالمانہ ہے۔ جس پر ضد و عناد و بے تہذیبی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ نتیجتاً قبولِ حق و ہدایت کے امکانات موہوم ہو گئے ہیں۔ عوام الناس کے دین اور علماءِ دین سے دوری نے اس کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ حال ہی میں ہمارا ٹمل ناڈو کا سفر ہوا وہاں باوثوق ذرائع سے ایک ٹمل پوسٹر ملا جس کی بابت معلوم ہوا کہ یہ "دو ڈاکو ابو ہریرہؓ و بخاریؒ" کے نام سے منکرین حدیث کی جانب سے چھاپا گیا ہے۔ جس کے بد قسمت ناشرین نے دین میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ کو بھی شامل کر کے ایک نیا دین وضع کرنے کا ان حضرات —— رضی اللہ عنہما و نفعنا بہما —— پر الزام لگایا ہے۔ یعنی زبانی بے ہودگیوں سے بات آگے بڑھ کر تحریر و تصنیف تک پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ ملت پر بہت ہی برا وقت آ پڑا ہے۔ باطل کے چوطرفی حملوں کا علماء کرام کو سامنا ہے اور انھیں تمام ہی محاذوں پر کام کے لئے کمربستہ ہو جانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں عوام و علماء میں بیداری مہم کے طور پر ۲۶/اگست ۲۰۰۰ء کو ٹمل ناڈو کے قصبہ "میل وشارم" میں واقع مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو بھی از راہ حسن ظن اس پروگرام میں مدعو کیا گیا تھا۔ راقم نے اس اجلاس میں جو مختصر سا مقالہ انتہائی عجلت میں مرتب کر کے پیش کیا تھا وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو اپنے کرم سے عام و تام فرمائے۔ آمین

محمد عبد القوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی یارسول اللہ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی ۔

محترم علماء کرام اور قابل قدر طلبہ علم دین!

اسلام کیا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام قرآن و سنت کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان والوں کے اوپر لازم و واجب ہے۔ ہمارے علماء و فقہاء نے اصول کی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے اور اس پر قرآن و حدیث کی بے شمار آیات و روایات شاہد ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے مخاطب، حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اُمت باجماع و اتفاق اسے اپنا عقیدہ اور اس کے انکار کرنے والے کو قرآن و حدیث کا منکر اور خارج از اسلام یقین کرتی آئی ہے۔

نبی کون ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور سب سے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنی سب سے آخری کتاب قرآن مجید اُتاری ہے اور قرآن کریم آپ کے رسول الٰہی ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، بغیر رسول پر ایمان کے معتبر نہیں اور اللہ

تعالیٰ کی اطاعت بغیر رسول کی اطاعت کے قابل قبول نہیں۔ رسول کو اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ صرف اس لئے نہیں کہ پیغام رسانی کر کے اللہ اور بندوں کے درمیان سے ہٹ جائے۔ یا عین حیات بندوں پر امامت وحکومت کر کے وفات کے بعد اپنی اطاعت کے حق سے محروم ہو جائے۔ بلکہ نبی اور رسول خاص اسلامی اصطلاح اور مناصب ہیں۔ منجانب اللہ ان کی ذمہ داریاں یہ ہوتی ہیں۔

نبی کی چند اہم ذمہ داریاں

۱) اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانا۔

کما قال اللہ تعالیٰ یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاأُنْزِلَ إِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (اے رسولؐ! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے) مَاعَلَی الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (رسول کے ذمہ تو بس بلاغ مبین ہے)

۲) اس پیغام کی تشریح وتبیین کرنا۔

کما قال اللہ تعالیٰ أَنْزَلْنَا إِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَیْهِمْ (ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو جو نازل ہوا ہے کھول کھول کر بتلا دیں)

۳) اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اس پیغام پر عمل کرنا۔

کما قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا پس آپ اس طریقہ ہی کا اتباع کیجئے) اِتَّبِعْ مَاأُوْحِیَ إِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کیجئے)

۴) اللہ کے کلام کو پڑھ کر سنانا، قرآن کریم اور حکمت (وحی غیر متلو) کی تعلیم دینا اور عقیدہ وعمل کو منشاء الٰہی کے مطابق طاہر و پاکیزہ بنانا۔

کما قال تعالیٰ کَمَا أَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ آیَاتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (جس طرح ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں

(گناہوں سے) پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں (اور اس کے علاوہ) جو تم نہیں جانتے تھے وہ بھی سکھاتے ہیں)

۵) اُمت کو اپنی اتباع واطاعت کی دعوت دینا

اِتَّبِعُوْا مَاأُنْزِلَ إِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (اے لوگو! جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی اتباع کرو)

قُلْ إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آپ کہہ دیجئے! اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو)

هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس کی اتباع کرو)

۶) حلال وحرام کی تعیین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنا

یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (وہ (نبی) تم کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں)

مذکورہ بالا چند آیات سے معلوم ہو گیا کہ رسول کی حیثیت "محض کسی پیغام رساں" اور ڈاکیہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر اس کے منشاء ومراد کو نافذ کرنے والے خلیفہ کی حیثیت ہے۔

نبی قرآن کی نظر میں

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً و باطناً کامل ومکمل بنایا۔ إِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۱) فرما کر آپ کی فکر ونظر، علم وعمل اور دیانت وامانت وغیرہ تمام صفات واوصاف کو سند کمال واعتبار عطا کیا۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲) فرما کر پوری زندگی کی ہر حرکت وسکون پر مہر تحسین وتصدیق ثبت فرما دی۔ مَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۳) فرما کر آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے تمام کلمات کو صحت وصداقت کی ضمانت عطا کی۔ إِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ إِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ (۴) فرما کر آپ کی بیعت کو اپنی بیعت

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۵) کے ذریعہ آپ کی اطاعت کو بلاشبہ اپنی اطاعت فَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۶) فرما کر آپ کے عمل کو اپنا عمل اور آپ کی زبان سے فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہلوا کر آپ کی اتباع کو اپنی محبت کا وسیلہ قرار دیا۔ نیز اعلان فرمایا کہ رسول اسی لئے بھیجے جاتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۷) آپ کی اطاعت کو بندوں پر فرض فرمایا۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۸) آپ کے ساتھ برابری اور عامیانہ سلوک کرنے کو حرام اور آپ کے مرتبہ کے احترام کو فرض قرار دیا۔ مثلاً اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۹) لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (۱۰) لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (۱۱) لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۱۲) وغیرہ

بہرحال ان تمام آیات قرآنیہ کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ نبی صرف ''پیغام رساں'' یا ''مرکز ملت'' یا ''امام وقت'' نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب الاتباع ہادی و رہبر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کے بغیر اپنے اوپر ایمان کو، ان کی اطاعت کے بغیر اپنی اطاعت کو ناقص و نامکمل اور غیر معتبر قرار دیا ہے اور جس طرح اپنی کتاب کے بارے میں اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فرمایا اسی وجہ سے اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ دین قرآن وحدیث کے مجموعہ کا نام ہے۔ قرآن وحدیث کے درمیان وہی نسبت ہے جو قلب کو قالب سے اور جسم کو جان سے ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے مذہب اسلام اور دین حق کا تصور باطل ہے۔

نبی کی جاہلانہ تعریف

لیکن اُمت میں ہر زمانہ کے اندر ایسے گمراہ طبقات وجود میں آتے رہے ہیں جو مفادات حاصلہ یا عقل و رائے کے شکار ہو کر اُمت کے سواد اعظم سے خروج اور اپنے لئے ڈیڑھ اینٹ کی علاحدہ مسجد تعمیر کرتے ہیں اور جب دشمنان اسلام کو ایسی کسی شخصیت یا طبقہ کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ

لوگ فوراً ان مسلوب التوفیق و محروم الہدایت افراد کے دماغوں اور دلوں میں اپنا جال پھینک کر انھیں اپنے قابو میں کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کے کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح معنوں میں عمل کے لئے ضروری ہونے کے سلسلہ میں کچھ ایسے لوگ اُمت میں پیدا ہو گئے، جو محض اپنی عقل و رائے کی بنیاد پر بلا کسی شرعی دلیل کے یہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان بس ایک قاصد و پیغام رساں کی ہے اور ان کی اتباع من حیث الرسول واجب نہیں۔ بہ حیثیت امام یا بہ حیثیت مرکز ملت واجب ہے وہ بھی صرف حین حیات، اس لئے کہ (بزعم خویش) ''اطاعت'' زندہ کی فرمانبرداری کو کہا جاتا ہے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو اب ''اطاعت'' کے امر کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

کماھو المستفاد من افکارھم المطبوعہ واقوالھم المسموعہ والعیاذ باللہ من ھذہ الضلالۃ والجھالۃ

تاریخ انکار حدیث

علامہ بدر عالم میرٹھیؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ انکار حدیث کا فتنہ پہلی صدی ہجری کے بعد کی پیداوار ہے۔ معتزلہ اس کے بانی ہیں۔ موجودہ صورت شکل سے گو مختلف سہی مگر اس درخت کی جڑ اسی گمراہ فرقہ میں نظر آتی ہے۔ ان سے قبل تمام مسلمان بالاتفاق احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت شرعیہ اور اصل دین تسلیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ روافض، خوارج اور قدریہ جیسے فرقوں کو بھی اس سے اختلاف نہ تھا۔

اس باطل نظریہ کی بیخ کنی و تردید کا باقاعدہ کام سب سے قبل سیدنا الامام الشافعیؒ نے فرمایا پھر امام احمد ابن حنبلؒ، حافظ ابن قیمؒ، امام غزالیؒ، ابن حزمؒ اور حافظ محمد ابراہیم وزیرؒ، حافظ جلال الدین السیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بے سر و پا خیال کا مضبوط رد اور اطاعت رسول کی واجبیت و اہمیت کا مستند اثبات کیا۔ اسی طرح بعد کے دور کے علماء میں ہمارے علماء دیوبند نے بھی ان تحریکوں کا زبردست تعاقب کیا ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسین گیلانی کی ''تدوین حدیث''، علامہ حبیب

الرحمٰن اعظمی کی ''نصرۃ الحدیث''، مولانا تقی عثمانی کی ''حجیت حدیث''، مولانا رفیع عثمانی کی ''کتابت حدیث''، مولانا ادریس کاندھلوی کی ''حجیت حدیث'' جیسی مستقل تصنیفات منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ نیز مولانا احمد رضا بجنوری نے ''مشکلات القرآن'' کے مقدمہ میں، مولانا بدر عالم میرٹھی نے ''ترجمان السنۃ'' میں اور دیگر اساتذہ حدیث نے اپنے ''دروس و شروحات'' میں ضمناً اس مسئلہ پر مختصر مگر مدلل و شافی کلام کیا ہے۔ اس طرح کہ کسی متلاشی حق کو مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

معتزلہ چوں کہ اچھی معلومات اور خاصا علم رکھتے تھے۔ اس لئے اپنے پیدا کردہ اس جاہلانہ فتنہ کو زیادہ نباہ نہ سکے اور انکار حدیث کی توجیہات و تاویلات کرکے اپنا کام چلاتے رہے۔ ادھر اُمت میں خیر کے غالب ہونے اور علم و عمل اور علماء سے ربط کا عام رواج ہونے اور اس فرقہ کے بذات خود اہلسنت والجماعت سے خارج ہونے کی وجہ سے اُمت ان کے ان خیالات سے بفضلہ تعالیٰ متاثر نہ ہوئی۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

''بیسویں صدی کے آغاز میں جب مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا میں ترقی بغیر ''تقلید مغرب'' کے حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ کہ اسلام کے احکام ''تقلید مغرب'' کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس لئے اس نے اسلام کو مغربی افکار کے مطابق بنانے کے لئے تحریف کا سلسلہ شروع کیا۔ کیوں کہ احادیث زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہیں اُمت کو اپنا پابند بناتی ہیں۔ پھر مغربی افکار سے متصادم بھی ہیں تو مغرب زدہ طبقہ نے اس کو اپنی من مانی و آزادی کی راہ سے ہٹانا ضروری سمجھا۔ اس کاز کے لئے کام کرتے ہندوستان میں سرسید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی، مصر میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ترکی میں ضیاء گوکالپ بنیادی طور پر معروف ہیں۔ گو کہ ان لوگوں نے احادیث شریفہ کا انکار نہیں کیا، لیکن تدریجی طریقہ کار کے طور پر عملی انکار ہی کے مرتکب ہوئے''۔

پھر اس نظریہ کو کسی قدر منظم طور سے عبداللہ چکڑالوی نے ''اہل قرآن'' کے نام سے ایک فرقہ قائم کرکے پروان چڑھایا جس کا مقصد حدیث کا مطلق انکار تھا۔ پھر اسلم جیراجپوری نے انکار مطلق کے نظریہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے اس کو مزید ترقی دی۔ اس کے بعد جب غلام احمد پرویز نے اس نظریہ کی باگ ڈور سنبھالی تو ''طلوع اسلام'' کے نام سے اس نظریہ کو ایک منظم اور باقاعدہ نظریہ و جماعت کی شکل میں تبدیل کردیا۔ زبان و قلم کے ذریعہ بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا۔ آزادی و من مانی کو پسند کرنے والے طبقہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی ہی مدت میں یہ نظریہ ایک مستقل نظریہ اور دعوت کی حیثیت سے پروان چڑھ گیا۔ جس تیزی سے عوام الناس میں علم دین اور بنیادی اسلامی معلومات کی کمی ہوتی جارہی ہے اسی رفتار سے اس تحریک کو دن بدن ترقی ملتی جارہی ہے۔ کم علم بلکہ دین کی حد تک بے علم لوگ چند آیات و احادیث کو لے کر بے بنیاد دعاوی اور نامعقول دلائل بلکہ انتہائی سطحی باتوں کے ذریعہ عوام الناس بالخصوص دین سے دور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے گمراہ کن خیالات کا حامی بنانے میں مشغول ہیں۔

پاکستان (جو تقریباً تمام گمراہ فرقوں کا گڑھ ہے) اس میں تو زور و شور سے ان کا کام جاری ہے۔ اتفاق سے ادھر قریب عرصہ میں انہیں بعض جید اہل علم و صاحب زبان و قلم لوگ اہلسنت والجماعت سے ہاتھ لگ گئے ہیں مثلاً علامہ تمنا عمادی پھلواری، حبیب الرحمٰن کاندھلوی۔ یہ حضرات پہلے اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے پھر شامت اعمال اور شومئی قسمت سے اس گڑھے میں جاگرے۔ انھوں نے اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو اس فتنہ کی آبیاری اور اس نظریہ کی ترقی و اشاعت پر صرف کیا۔ متعدد تصانیف ان کے قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ جن میں علمی خیانتوں کے ایک خاص طریقہ کار کے ذریعہ احادیث شریفہ اور حضرات محدثین کرام کے تیرہ سو سالہ اعتبار و اعتماد کو مجروح کرنے کی مذموم سعی اور ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ـــ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ـــ جانتے بوجھتے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے اور جس شوخ اور بے ادب زبان و قلم کو استعمال کیا گیا ہے وہ ناقابل بیان ہے[1] جس طرح

[1] یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ ائمہ جرح و تعدیل کے الفاظ ہیں اس لئے کہ اسماء الرجال ایک مستقل فن ہے اور اس کا اپنا......

مشرکین قرآن کریم کو ''اساطیر الاولین'' سے زیادہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ یہ حضرات احادیث مبارکہ کے لئے ''مذہبی داستانوں'' اور ''من گھڑت کہانیوں'' سے زیادہ الفاظ استعمال کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کے دعاوی

اس گمراہ فرقہ کے دعاوی جیسا کہ عرض کیا گیا، متفرق و منتشر ہیں۔ ان کی کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گذری جو اس فرقہ کے بنیادی عقائد ونظریات کو واضح کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ یہ فرقہ کھل کر مسلمانوں کا سامنا کبھی بھی نہ کر سکا۔ دبی زبان اور محتاط اُسلوب میں اپنے مضامین اور خیالات کے درمیان کچھ ایسی باتوں کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں، جس سے ان احادیث کا ضعیف یا موضوع ہونا یا اس کے مفہوم ومطلب کا مشکل ومتضاد ہونا ظاہر ہو۔ اس کے لئے مختلف مصنفین مختلف باتیں کہا کرتے ہیں۔ البتہ ان سب میں قدر مشترک احادیث شریفہ کی معروف حیثیت کو کمزور کرنا اور اس سے کسی طرح جان چھڑانا ہوتا ہے۔ اس لئے اب تک جو تصنیفات و رسائل منظر عام پر آسکی ہیں وہ کسی حدیث یا کسی جزوی مسئلہ کی تحقیق کے زیر عنوان ہیں، مثلاً حضرت عائشہ کی عمر بوقت نکاح، شب برأت کی حقیقت، سماع موتی، عذاب قبر، اختلاف اُمت والی روایت کی تحقیق، موضوع احادیث، امام زہری اور امام طبری کے مسلک کی تحقیق اور روافض سے متعلق چند عنوانات وغیرہ، البتہ بہ حیثیت مجموعی ان کے جو دعاوی ان کی تصنیفات سے مستفاد ہوتے ہیں۔ یا بوقت گفتگو جن کا اظہار ہوتا ہے وہ اس طرح ہیں :

۱) قرآن کریم ہی اللہ تعالیٰ کی ایک محفوظ کتاب ہے اور تمام جزئیات وکلیات کو شامل ہے، بندے صرف اس کتاب کی اتباع کے پابند ہیں۔

۲) دین کی بنیاد ظن پر قائم نہیں کی جاسکتی اور احادیث کا پورا ذخیرہ ظنی ہے، اس لئے ان کی

...... موضوع اور اپنی زبان ہے۔ جس کی زد میں بسا اوقات بڑے بڑے علماء آتے ہیں اُردو زبان میں اس کو من وعن ترجمہ سے نہ حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ ہی اُردو ادب اس کا متحمل ہے۔ ان ہی الفاظ جرح کو بوقت ضرورت ہمارے علماء نے بھی اُردو کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن تعبیر میں بین فرق ہے۔

اتباع دُرست نہیں ہے (اس سلسلہ میں پھر ان کی مختلف فکریں ہیں)

۳) آپ کی اطاعت مرکز ملت کی حیثیت سے واجب تھی من حیث الرسالۃ نہیں تھی یا صرف آپ کے اُسوہ کا اتباع واجب ہے اقوال کا نہیں۔

۴) بہت سی احادیث قرآن کے خلاف ہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہیں اور یہ کہ محدثین خود اکثر نا قابل اعتبار ہیں۔

۵) احادیث تیسری صدی میں لکھی گئی ہیں اور وہ بھی یادداشت کی بنیاد پر اس لئے ان کا اعتبار مشکوک ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی جزئیات ہیں لیکن وہ دراصل ان مفروضات کے اعتقاد کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہیں، اس لئے اس وقت صرف ان کا جائزہ لے لینا کافی ہوگا، اس لئے ہم ذیل میں ان میں سے ہر ایک دعوے کا حقیقی چہرہ قرآن کریم ہی کی روشنی میں دکھانے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ وباللہ التوفیق

ان دعاوی کا مختصر تجزیہ

جہاں تک قرآن کریم کی جامعیت کا تعلق ہے تو اہل سنت والجماعت بھی اس کے قائل ہیں مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ بلاشبہ قرآن کریم ایک جامع ترین کتاب ہے اور وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں بندہ کی بنیادی راہنمائی کے لئے کافی ہے مگر وہ اشارہ کی زبان ہے۔ اکثر کلی احکام پر اکتفا کرتی ہے گو کہیں کہیں جزئیات کا ذکر بھی آگیا ہے تاہم وہ جزئیہ بھی غور کیا جائے تو فی الحقیقت ایک کلیہ ہی ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے مضامین صرف اُصول اور احکام پر مبنی ہیں۔ جن کی تشریح، صراحت اور عملی شکل واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے منشاء سے واقف اور اس کے ساتھ رشتۂ وحی کی حامل کسی ہستی کا ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ یہی رہی کہ انبیاء بغیر کتابوں کے بھی بھیجے گئے مگر کبھی کوئی کتاب بغیر نبی کے نہیں بھیجی گئی۔

۱) پہلے دعوے کا جواب

(الف) اگر نبی ﷺ کی تشریح کی ضرورت قرآن فہمی کے سلسلہ میں نہ ہوتی تو قرآن میں

آپ کو لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ فرما کر قرآن کریم کی تشریح کی ذمہ داری کیوں سونپی گئی۔ عام انسانوں کو خود ہی سمجھ لینے کا اختیار کیوں نہ دیا گیا۔ جب کہ کفار اس کا مطالبہ بھی کر رہے تھے حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ یعنی ہم اس وقت تک آپ کی بات نہ مانیں گے جب تک کہ خود ہم پر کوئی کتاب نازل نہ ہو جائے جسے ہم خود پڑھیں اور وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جیسی آیات کا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں کہ قرآن کے ہر مضمون کو ہر عامی و جاہل بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ قرآن میں تمام مسائل کا بیان موجود ہے اس کے لئے کسی شارح کی ضرورت نہیں تو پھر دونوں آیتوں میں تضاد ہوگا یعنی ایک آیت میں فرمایا گیا کہ قرآن بہت آسان ہے دوسری میں ارشاد ہے کہ اے نبی! آپ قرآن کریم میں کیا نازل ہوا ہے اُمت کو سمجھائے۔ جس کا مطلب یہ کہ قرآن کریم آسان بھی ہے مشکل بھی ہے ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں میں اختلاف ہے اور قرآن کہتا ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلافات پاتے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے۔ اس جگہ لازماً آپ کو ان آیات کی تاویل کچھ نہ کچھ کرنی پڑے گی اور آپ کرتے ہی ہیں۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوگا کہ اگر آپ کو تاویل و تفسیر کا حق حاصل ہے تو پھر رسول کو کیوں نہیں ہے؟ پھر اگر ایک تاویل آپ کریں، ایک تاویل نبی کریں تو اطاعت و قبولیت کے لائق آپ کی تاویل باطل ہوگی یا نبی کی تشریح حق؟

(ب) نبی کی تشریحات سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن کریم سے دین کے احکام کی تشکیل ممکن بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات مجمل اور مبہم ہیں، جن کی تشریح اگر نبی ﷺ نہ کر دیتے، یا ہم اسے قبول نہ کریں تو ان پر عمل کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اگر لغت اور عربیت کی مدد سے ان کے مفہوم و معنی کو متعین کرنا چاہیں گے تو دین ایک مضحکہ خیز کھیل تماشہ کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ دیکھئے قرآن کریم نے ''الصلوٰۃ'' کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ صلوٰۃ لغت میں رحمت، دُعا وغیرہ کے ساتھ ساتھ ''تحریك الصلوين'' یعنی سرینوں کو حرکت دینے کو بھی کہتے ہیں، اب اگر کوئی سر پھرا مثلاً رقص کرنے کا نام ''الصلوٰۃ'' رکھنا چاہے تو قرآن کریم میں وہ کونسی دلیل ہے جس

سے آپ اس کو یہ باور کرادیں کہ ''الصلوٰۃ'' کے یہ بے ہودہ معنی لینا ظلم ہے اور اسلام میں صلوٰۃ ایک مخصوص طریقہ عبادت کا نام ہے؟ اسی طرح قرآن کریم میں ''الزکوٰۃ'' کی ادائیگی کا حکم ہے، لغت تو اس کے معنی صفائی پاکیزگی وغیرہ کے بیان کرتی ہے، اگر کوئی مال دار اپنے مال کو دھو دھلا کر صاف کرلے اور اس حکم پر عمل کا مدعی ہو جائے تو آپ کے نزدیک کس طرح اس کو اس سے روکا جا سکتا ہے، اور وہ کونسی آیت ہے جو صراحۃً یہ بتلائے کہ ''الزکوٰۃ'' کے کیا معنی ہیں؟ اسی طرح ''الصوم''، ''الحج''، ''الحج'' وغیرہ بے شمار احکام ہیں جس کی اتنی شکلیں اپنی اپنی عقلوں سے وجود میں آجائیں گی کہ مذہب ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ چناں چہ خود صحابہ کرام ؓ صاحب زبان ہونے کے باوجود بہت سے احکام کو الفاظ کے ظاہر سے صحیح نہ سمجھ سکے۔ پھر اسی طرح بعض دفعہ اس کے الفاظ کو تو سمجھ گئے مگر اس پر عمل کی صورت اور اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے، نبی ﷺ سے رجوع ہوئے اور تحقیق کی تو آپ ؐ کے ذریعہ صحیح صورت حال کا انہیں علم ہوا، جس کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے، حافظ ابن قیمؒ نے سینکڑوں سوال و جواب اس قسم کے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں نموۃً جمع کئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اولین مخاطبین قرآن یعنی صحابہ کرام کو بھی بعض جگہ اشتباہ ہوتا تھا اور نبی کی تشریح کے بغیر صحیح مراد تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے پورے قرآن کریم کو آج ہر کوئی سمجھ سکتا اور عمل کر سکتا ہے تو صحابہ خود کیوں نہیں سمجھ کر عمل کر لیتے تھے اور نبی سے سمجھنے کی کیوں ضرورت پیش آتی تھی؟ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے احکام پر عمل کی صورتیں نبی پر وحی کی جاتی تھیں جس کو نبی قولاً و فعلاً اپنی اُمت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ انہی اقوال و اعمال کے مجموعہ کو حدیث کہا جاتا ہے، اب ان کا انکار کر کے قرآن پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

(ج) قرآن کریم میں ہے: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے ساتھ بات کرنے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) وحی (۲) پس پردہ خطاب (۳) بذریعہ قاصد پیغام رسانی، قرآن کریم بالاتفاق تیسری صورت کے ذریعہ پہنچا ہے، پہلی دو صورتوں کے

ذریعہ اللہ پاک نے اپنے نبی کے ساتھ جو کلام فرمایا ہے وہ وحی آخر کہاں ہے؟ اور اس پر عمل کے ضروری ہونے سے استثنٰی کس دلیل سے ہے؟

(د) قرآن کریم میں بہت سی ایسی باتوں کا حوالہ ہے جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، مثلاً: مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا / عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وغیرہ ان احکام پر نبیؐ اور صحابہؓ کا عمل تھا، جب یہ احکام قرآن میں نہیں ہیں تو وہ صحابہ کرام کو کس طرح معلوم ہوئے تھے اور انھوں نے اس پر عمل کیسے کیا؟ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی جامعیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کا ہر ہر مسئلہ اس کے اندر صراحۃً بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کرتا ہے تو یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ عقلی نہ نقلی۔ مذکورہ آیات اور ان جیسی بہت سے آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احکام نبی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت کو ایسے بھی دیئے جن کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ پھر محض قرآن کریم پر عمل کر لینا اور احادیث رسول کو ترک کر دینا کیسے کافی ہوسکتا ہے؟

(ہ) خود قرآن کریم نے مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم تم کو دیں تو اسے لے لو اور جس کام سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اپنے اختلافات اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو (پھر جو حکم ملے اس پر عمل کر لو)۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ آپ کے رب کی قسم! کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے اختلافات کو آپ کی خدمت میں پیش نہ کر دے پھر آپ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم نہ کر دے وغیرہ۔ بہت سی آیات میں نبی کی اطاعت کا صریح حکم دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ''منکر حدیث'' سب سے پہلے ''منکر قرآن'' ہوتا ہے، پھر منکر حدیث۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی عامل بالقرآن منکر حدیث نہیں ہوسکتا اور کوئی منکر حدیث عامل بالقرآن نہیں ہوسکتا۔

۲) دوسرے دعوے کا جواب

یہ کہنا کہ احادیث ظنی الثبوت ہیں اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) یہ کیسے پتہ چلا کہ قرآن قطعی الثبوت ہے؟[۱] اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ہم نے ہی قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، کے ذریعہ وعدہ کیا ہے تو پھر حدیث شریف کی حفاظت کا بھی اس میں وعدہ نکل آیا، اس لئے کہ قرآن محض الفاظ یا محض معنی کو نہیں کہا جاتا بلکہ ''نظم و معنی'' دونوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ''ذکر'' کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو ''بیان ذکر'' کی حفاظت خود اس میں شامل ہوگئی۔ جب کہ دوسری آیات میں یہ بات اور بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ نیز اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت منزل من اللہ ہی ہے درمیانی لوگوں کا اضافہ نہیں ہے!

(ب) پھر حفاظت قرآن والی آیت جس ترتیب اور جن ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے اسی ترتیب اور اسی ذریعہ سے احادیث رسول بھی پہنچے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی شخص دو باتیں ایک کو قرآن کے نام سے دوسری کو حدیث کے نام سے بیان کرتا ہے تو آپ کہیں کہ آیت پہنچانے میں تو یہ شخص معتبر ہے، مگر حدیث پہنچانے میں اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا عقل و خرد اس ہٹ دھرمی کو تسلیم کرسکتی ہے؟

(ج) قرآن کریم میں ارشاد ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے، دوسری آیت میں ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ادھر

---

[۱] ناظرین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ محض الزامی سوال ہے، ہمیں بفضل اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے قطعی الثبوت ہونے پر ذرہ برابر شبہ نہیں ہے، بلکہ یقین واثق ہے، مگر یہ سوال ان لوگوں سے اس لئے ہے کہ وہ اس واسطے کو مانتے ہی نہیں جس سے قرآن ہم تک پہنچا ہے۔

بقول منکرین حدیث اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ حدیث کی نہ کوئی ذمہ داری لی ہے اور نہ اس کا کوئی انتظام کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف بنا کے ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ آپ بتلائیں کہ حفاظتِ حدیث کا انکار کر کے آپ اللہ تعالیٰ پر ظلم و کذب کا الزام نہیں لگا رہے ہیں؟

۳) تیسرے دعویٰ کا جواب

اطاعتِ رسول سے متعلق آیات میں یہ تاویل کرنا کہ ''آپ کی اطاعت مرکزِ ملت کی حیثیت سے واجب تھی''، محض ایک دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(الف) اگر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں اطاعتِ مطلق کی —— جو تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے —— بلا دلیل تاویل کی جا سکتی ہے تو اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کی بھی کی جا سکتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں رسول پر بحیثیتِ حاکم اور مرکزِ ملت کے ایمان لاتا ہوں ''من حیث الرسول'' نہیں لاتا تو کیا آپ اس کو تسلیم کر لیں گے؟ اور ہو سکتا ہے آپ اپنی بات رکھنے کو تسلیم بھی کر لیں مگر کیا اس کا کوئی جواز قرآن کریم سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس جس طرح ''ایمان بالرسول'' کے معنی من حیث الرسول آپ کو ماننے کے ہیں، اسی طرح اطاعتِ رسول کے معنی بھی من حیث الرسول فرماں برداری کے ہوں گے۔

(ب) نیز علماء نے صراحت کی ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت ہوگا۔ پس جس طرح عربی کے جملہ ''اکرِمِ العالِم'' کا مطلب ''علم کی وجہ سے عالم کا اکرام کرو'' لیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح ''اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کا مطلب ''رسالت کی بنیاد پر رسول کی اطاعت کرو'' ہوگا۔

(ج) اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ رسول کی رسول ہونے کی حیثیت اور ہے حاکم ہونے کی اور، حاکم ہونے کے لئے رسول ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت تک حکام اور ائمہ ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حیثیت، مقام، ادب و احترام کیا وہی ہو سکتا ہے جو رسول کا ہوتا ہے اور جس کا قرآن نے اُمت کو پابند کیا ہے؟

(د) پھر رسول کو رسول ہونے کی حیثیت سے ماننا اور مرکزِ ملت ہونے کی حیثیت سے ماننا، یہ تقسیم بھی کسی ثبوتِ قرآن کے بغیر ہے، سوال یہ ہے کہ قرآن کریم جب رسول کو ہمیشہ رسول کے نام اور رسول کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے، تو آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ آپ اس کی اطاعتِ مطلقہ کے حکم میں یہ تفریق و تقسیم اپنی عقل و رائے سے کر دیں؟ یہ عجیب معمہ ہے کہ آپ کے نزدیک خود رسول تو قرآن کا شارح نہیں ہو سکتا مگر آپ اس کا حق رکھتے ہیں کہ رسول کی حیثیت کو متعین کریں۔

۴) چوتھے دعوے کا جواب

کوئی ''حدیثِ صحیح'' قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ جب کوئی حدیث اُصولی طور پر محدثین کے نزدیک معتبر ہوگی تو اہل علم کے نزدیک آج تک بھی وہ قرآن سے متعارض و متصادم نہیں ہوئی۔ خواہ بادی النظر میں کسی کو ایسا محسوس ہو مگر فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہوتا، اس لئے کہ نبی ﷺ یا تو وہی بات فرماتے ہیں جو قرآن میں ہے یا اس کی تشریح و توضیح فرماتے ہیں یا جو بات قرآن میں نہیں ہے اس کا حکم فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ کے حکم مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد سے خود بیان کرتے ہیں۔ چوتھی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ غور کیجئے تو مذکورہ تینوں صورتوں میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آپ کی کوئی تعلیم یا حکم قرآن کریم کے کسی حکم سے متعارض ہو جائے۔ آپ لوگ ایسی جتنی روایات پیش کرتے ہیں علماء اہل سنت والجماعت کو ڈیڑھ ہزار برس میں آج تک ان میں قرآن کے ساتھ تعارض نہیں نظر آیا۔ اب چودھویں صدی میں آپ لوگ اپنی عقل و رائے سے زبردستی تعارض پیدا کریں اور دوسرے کی کوئی بات سننے سے اپنے کان بند کر کے اپنی رٹ لگائے جائیں کہ حدیثیں قرآن سے ٹکرا رہی ہیں تو اس نامعقولیت کا کوئی علاج دُنیا میں نہیں ہے۔[1]

۵) پانچویں دعوے کا جواب

رہی کبار محدثین کے رافضی و بے اعتبار ہونے کی آپ کی اپنی اپج! تو حیرت ہوتی ہے کہ

---

[1] اصل بات بس اس قدر ہے کہ آپ مغربی اقوام کی اسلام دشمنی اور خواہ مخواہ کے اعتراضات سے بے حد متاثر ہیں اور ان کے عائد کردہ جھوٹے الزامات کو رفع کرنے کے لئے اپنے دین کی حقیقتوں کو جھٹلانے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کی ہدایت تو مجروح ہو سکتی ہے مگر احادیث نبوی کی صداقت داغ دار کبھی نہ ہو سکے گی۔

حضراتِ محدثین کرام کی بہترین، بے مثال اور مخلص جماعت، جو زمین پر گویا اللہ کی ایک آیت و حجت ہے اس جماعت حق پرست پر "عمل بالقرآن" کے مدعیوں نے کس قرآنی اُصول کی بناء پر الزام طرازی و بہتان تراشی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ قرآن نے اپنے مخاطبین کو حکم دیا ہے کہ وہ پہنچنے والی خبروں کو بلا تحقیق قبول نہ کریں۔ ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا حد یہ ہے کہ خود قرآن کریم پر بے سوچے سمجھے گر پڑنے اور تدبر سے کام نہ لینے کو بھی ناپسند کیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۔ ان آیاتِ قرآنیہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ حضرات محدثین کرام کے بارے میں بھی تحقیق و جستجو سے کام لے کر فیصلہ کیا جاتا کہ ان کا عقیدہ و مسلک کیا ہے۔ آخر ڈیڑھ ہزار برس کے اہل اسلام اور علماء اعلام کوئی نادان بچے تو نہیں ہیں کہ آنکھ بند کر کے کسی کو مستند و معتبر سمجھتے آرہے ہیں۔ آپ نے کس تحقیق کی بناء پر یہ الزام لگایا ہے؟ "اسماء الرجال" قرآن تو نہیں ہے، محض ایک تاریخ ہی تو ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حدیثِ رسول کو جو بے مثال حزم واحتیاط کے ساتھ جمع کی گئی ہیں، تاریخ سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے اس سے استدلال کو کہانیوں سے استدلال قرار دیتے ہیں۔ لیکن "اسماء الرجال" کو کتاب اللہ کے مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ جب کہ آپ اس فن کی حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اس میں ائمہ فن نے اپنی معلومات کے مطابق رواۃ حدیث کی سیرۃ پر کلام کیا ہے۔ اور پھر وہ خود بھی ایک انسان ہیں، بشری کمزوری و تقاضوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ ان کی غالب اکثریت اور مجموعی بیانات کو سامنے رکھ کر کسی راوی کا مرتبہ متعین کیا جائے۔ جیسا کہ "قائلین حدیث" بالخصوص ہم "مقلدین" کرتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم نے تحقیق کا حکم دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ تاریخ رواۃ حدیث کے اس ذخیرہ "اسماء الرجال" کو بحیثیتِ مجموعی سامنے رکھ کر بلا کسی تعصب و بددیانتی کے جائزہ لیا جائے تو معروف محدثین اور مدونین کی شخصیتیں کامل اعتبار و اعتماد تو پاتی ہیں مگر کسی طرح مجروح و متہم نظر نہیں آتیں۔ ہاں اگر کوئی حدیثِ رسول کا دشمن ٹھان ہی لے کہ آزاد خیالی اور اسلام دشمنی کی راہ سے حدیثوں کی رکاوٹ کو ختم کر دوں تو چوں کہ تاریخ میں کوئی محدث ایسا نہ ملے گا جس کی بابت کسی کی بھی رائے مخالف نہ ہو اور ان پر کچھ نہ کچھ جرح کے الفاظ

استعمال نہ کئے گئے ہوں تو وہ ان سے ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح محدثین کرام کے اعتبار و اعتماد کو مجروح کرنا اور ان پر وضع یا رفض کی تہمت لگانا انصاف کا خون کرنا ہے۔ حد ہو گئی اس بددیانتی اور ہٹ دھرمی کی کہ اپنے لئے تو کہیں سے بھی بے سروپا اور من گھڑت کہانیاں وضع کر لینے اور ان کی بنیاد پر کسی بھی محدث و فقیہ کی پگڑی اُچھالتے رہنے کی گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی کہ ہم قرآن سے ہٹ کر بات نہ کریں۔ اپنے کو "آپ" دوسرے کو "تو" کا یہ فلسفہ آپ ہی کو مبارک کسی صاحب علم و سمجھ کے لئے ناقابل قبول ہے۔ تم ہی بتاؤ! کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

۶) چھٹے دعوے کا جواب

آخری بات یہ کہ "حدیثیں تیسری صدی میں مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے ان کا اعتبار مشکل ہے" تو عرض یہ ہے کہ آپ قرآن کریم سے کوئی دلیل پیش کیجئے کہ احادیث اگر مدون ہوں تو اعتبار کیا جائے ورنہ نہیں۔ اصل مسئلہ یہ تحقیق کرنا ہے کہ ان کی حفاظت ہر دور میں رہی یا نہ رہی۔ وسائل حفاظت تو بدلتے رہیں گے۔ آج حفاظت علم کا ذریعہ جب کمپیوٹر اور سی ڈی بن گئے ہیں تو آپ کی طرح کوئی یہ کہنے لگے کہ چوں کہ قرآن کریم چودھویں صدی کے بعد سی ڈی میں محفوظ کیا گیا ہے اس لئے ہم اس کو وہی قرآن نہیں مانتے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟! اگر آپ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدہ سے استدلال کرتے ہیں تو یہ استدلال کامل نہیں اس لئے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس آیت کے آپ تک پہنچنے کا وہی ذریعہ ہے جو احادیث کے پہنچنے کا ہے آپ کے پاس اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ آیت ان لوگوں نے گڑھ کر قرآن میں داخل نہیں کی بلکہ دیانۃً رسول ہی کی طرف سے پہنچائی ہے۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کریم ہو یا حدیثِ رسول ہم دیکھیں کہ ہر زمانہ کے مروج و معتبر طریقہ حفاظت کے مطابق بتواتر محفوظ رہ کر ہم تک پہنچے یا نہیں؟ پس علماء اسلام ناقابل رد دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ عہد رسالت میں بالعموم "حفاظت بالعمل" اس کے بعد "حفاظت بالحفظ والعمل" کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے احادیثِ مبارکہ کو بھی انہی طریقوں سے محفوظ رکھا اور اشتغال و دلچسپی کے ساتھ محفوظ رکھا۔ پھر کتابت کا رواج عام ہوا اور اس کی ضرورت

محسوس کی گئی تو پورے اہتمام اور نادر انتظام سے اس ذریعہ حفاظت کو اختیار کیا گیا۔ پھر اس کی عہد بہ عہد تفصیل و تاریخ بھی آپ کے سامنے رکھ دی، متکلمین اسلام نے حدیث کی حجیت اور حفاظت پر اس قدر کتب لکھ دی ہیں کہ کسی متلاشی حق کے لئے ان میں کسی اضافہ کی ضرورت اب باقی نہیں رہ گئی ہے۔ کوئی بدنصیب شپرہ چشم اس روشنی سے آنکھ موندھ کے یہود و نصاری کے قدم بہ قدم چل کر تاریکی میں رہنا چاہتا ہے تو رہا کرے۔ ہمارے لئے ایسے فرد یا طبقوں کا وجود میں آجانا نہ حیرت انگیز ہے نہ پریشان کن۔ اس لئے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اس کی خبر بہت پہلے دے دی تھی۔

ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''خبردار! عنقریب ایسا وقت بھی آئے گا کہ کسی شخص کو میری حدیث پہنچے گی وہ اپنے تخت پر (بے نیازی کے ساتھ) ٹیک لگائے بیٹھ کر اس کے جواب میں کہے گا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم صرف اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھیں گے (کسی اور کے کلام کی ہمیں ضرورت نہیں) خبردار (اچھی طرح سمجھ لو) مجھے کتاب اللہ بھی دی گئی اس کے ساتھ اتنی ہی مقدار بھی دی گئی ہے (یعنی وحی متلو کے ساتھ وحی غیر متلو بھی ہے اور دونوں کے مجموعے سے دین کی تکمیل ہوتی ہے'')۔

منکرین حدیث کہئے یا اہل القرآن یا کچھ اور یہ وہی طبقہ ہے جو مغرب زدہ ہے اور اسلام دشمن قوتوں کا شکار ہو کر دین اسلام کو اپنی عقل کا تابع اور اپنی عقل کو دین کا متبوع و ماخذ بنائے ہوئے ہے اور کسی ''لبرل اسلام'' Liberal Islam کی تیاری میں مشغول ہے۔ ان کے حق میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا یہ تجزیہ صدفی صد صحیح ثابت ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام ۱/۴۵ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے ارشاد فرمایا:

''متبعین عقل حدیث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں احادیث کا علم حاصل کرنے اور انھیں یاد رکھنے کی توفیق تو ہوتی نہیں اور لوگ سوالات کرتے ہیں تو جواب دیتے بھی نہیں بن پڑتا۔ شرم دامن گیر ہوتی ہے تو

اپنی رائے و عقل سے جواب دیا کرتے ہیں اور عقل سے حدیثوں کا مقابلہ و معارضہ شروع کر دیتے ہیں۔ پس میں تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ ایسے گمراہ طبقہ سے بچتے رہنا''۔

فاروق اعظمؓ کے اس ''فارق بین الحق والباطل'' تجزیہ پر ہی ہم اپنی بات کو ختم کر دیتے ہیں اور اللہ تعالی سے دُعا گو ہیں کہ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

□□□

باسمہ تعالیٰ

تقلید کی ضرورت اور ترک تقلید کے مضرات

ایک تفصیلی محاضرہ

پیش کردہ دراجلاس عام

مجلس انصار الحق، وانمباڑی، تمل ناڈو

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

احوال واقعی

یہ بہت ہی بڑا المیہ ہے کہ اس زمانہ میں اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' کہلانے والا طبقہ دینی اُمور میں ہر قسم کے عقلی ونقلی اُصولوں سے مستغنی، آداب واحترام سے بے نیاز و بے پرواہ ہو کر اور چند حدیثوں کی معلومات حاصل کر کے علماء کرام اور ائمہ عظام پر کیچڑ اچھالنے، بدزبانی وسخت کلامی کرنے پر اُتر آیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ سید المرسلین امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش قیاسی ـــــ جس میں آپ نے ''قیامت کی ایک نشانی پچھلے لوگوں کا اگلے بزرگوں کو برا بھلا کہنا'' بھی قرار دیا ہے ـــــ کا صحیح ترین مصداق ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان ائمہ کو جن کے علم وفضل، دیانت وامانت اور ورع وتقویٰ پر پوری اُمت کے لاکھوں علماء اور کروڑوں صالحین نے اعتماد کیا اور اس کی شہادت دی۔ کس طرح انھیں قلیل العلم اور بے دیانت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے کہ کسی بندر کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو وہ اپنے پنساری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے لگا۔ یہ غیر مقلدین بھی ـــــ چند سمجھدار اور باعلم وعمل افراد کو چھوڑ کر ـــــ اس بندر سے کم نہیں۔ ایک طرف تقلید کو ''حرام'' اور ''شرک فی النبوۃ'' قرار دیتے ہیں اور دوسری جانب خود مابدولت کا حال یہ ہے کہ علم کی کل کائنات کسی مترجم کتاب کی ''اندھی تقلید'' سے زیادہ نہیں۔ ان بیچاروں کو شوقِ تحقیق اور شانِ اجتہاد پیدا ہوا ہے تو وقت نکال کر اور قربانی دے کر کچھ علم حاصل کریں۔ اس لائق بنیں کہ حدیث شریف کی کتاب براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے سکیں اور اُصولِ فن کی روشنی میں کسی سے کلام کر سکیں۔ جب بھی بات کرتے ہیں تو یکطرفہ اور خود ساختہ مفروضوں کی بنیاد پر، اور کچھ لکھتے ہیں تو اس طرح کہ اپنی بات کی بھی خود ہی تشریح کرتے ہیں اور دوسروں کے عقائد کا مفہوم ومطلب بھی خود ہی گڑھتے ہیں تاکہ خود کو برحق اور باقی سب

مسلمانوں کو غلط قرار دے سکیں۔ اس طرح عوام الناس کی سادہ لوحی وکم علمی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ''قرآن وسنت'' کے نام پر اپنے مسلک وموقف کی تبلیغ کرتے اور اپنے ساتھ ان کے متاعِ دین کو بھی داؤ پر لگاتے رہتے ہیں۔

ہمیں ان لوگوں کے فروعی مسائل میں اختلاف سے کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسائل ہیں ہی ایسے کہ ان میں ائمہ مجتہدین بلکہ حضرات صحابہ کرام میں بھی تحقیق کا اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اختیار کر لیا ہے۔ غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی ترجیح کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو اگر اختیار کر لیتے ہیں تو اس کی شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔ شکایت صرف اس بات کی ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں پیدا ہو کر تیرہ سو سال کے کروڑوں فرزندانِ اسلام اور علماء کرام کو گمراہ اور مشرک قرار دینے کی مذموم سعی اور ناپاک جدوجہد کیوں کرتے پھرتے ہیں؟ پھر ستم یہ کہ اپنے کو سلفی اور اثری بھی کہتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ سلفی سلف کی راہ چلنے اور اتباع کرنے والے کو کہتے ہیں یا سلف کو بدنام کرنے اور بے ہودہ الزامات لگانے والے کو؟ مسلمانوں کے ساتھ ان کا طرزِ سلوک ایسا ہے جیسے کوئی مشرکین کو اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہو۔[1] ان کی گفتگو اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے ساتھ ان کے رویہ سے واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مٹھی بھر جماعت کے علاوہ عالم اسلام میں کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے آج کل عام طور سے ان کا طریق اختلاف اور طرزِ تنقید سوقیانہ اور بازاری قسم کا ہو گیا ہے۔ ان کے عوام اپنے کو وقت کا امام سمجھنے لگے ہیں اور ائمہ تو ائمہ، حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت پر تک بے باکانہ حملہ کرنا ''اہل حدیث'' ہونے کی علامت اور نشانی سمجھا جانے لگا ہے۔

ان کو اگر ائمہ کرام کی تحقیق پر اطمینان نہ تھا تو وہ اپنی تحقیق پر عمل کر لیتے۔ لیکن انھیں یہ حق کس نے دیا کہ وہ اپنے علاوہ سب کو ملحد وگمراہ قرار دینے لگیں؟ اور آج کل تو اسلاف وائمہ پر طعن و

[1] اور اب تو ''جیسے'' کی بات نہیں رہی ''معراج ربانی صاحب'' صاف کہہ رہے ہیں کہ جس طرح نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کو اسلام کی دعوت دی تھی، اسی طرح ہم مقلدین کو دعوت ایمان دے رہے ہیں۔ موصوف کی کیسٹیں انہی اغوات سے بھری پڑی ہیں۔ اس شخص کے بارے میں تو قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

تشنیع اور تضلیل و تکفیر کا یہ سلسلہ افسوس ناک بلکہ شرم ناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ مگر اس پر بھی اس جماعت کے سربراہ و پیشوا حضرات زبانوں پر مہر سکوت لگا کر اس طرح چپ سادھے بیٹھے ہیں کہ گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔[1] اب یا تو ان کا منشاء بھی یہی ہوگا یا پھر حسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات ترک تقلید کا مسئلہ اُٹھا کر جاہلوں کے ہاتھوں میں پہنچا دینے کے بعد صورتِ حال کو از قابو رفتہ محسوس کر کے بے بس ہو چکے ہیں۔ ورنہ ماضی میں اس جماعت کے اندر ایسے اصحابِ علم موجود تھے جن کی شانِ علم نے ان پر وقار و سنجیدگی اور دیانت و انصاف پسندی کی چادر اُوڑھا دی تھی اور وہ حدود سے نکلنے اور جرأت بے جا سے کام لینے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند کرتے بلکہ اپنی قوم کو اس کے انجامِ بد سے ڈراتے بھی رہتے تھے۔

ہمارے علماءِ کرام کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ فروعی مسائل اور ذیلی اختلافات کو لے کر اپنا اور عوام الناس کا وقت خواہ مخواہ ضائع نہ کیا جائے۔ ہاں کبھی ضرورت پیش آئے تو بس ضروری وضاحت پر اکتفا کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہمارے علماءِ کرام کی شانِ امتیازی ہے کہ جب معاملہ فروع سے آگے بڑھ کر اُصول تک پہنچ جائے اور اختلاف، عداوت و نفسانیت کی شکل اختیار کرنے لگے اور اس کی زد میں اُمت کا سوادِ اعظم آجائے —— جس کی اتباع کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے —— تو پھر خاموش نہ بیٹھا جائے اور ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے ہدایت و ضلالت کی حقیقت واشگاف کر دی جائے۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب فتنے ظاہر ہو جاویں اور بدعات کا شیوع ہونے لگے تو عالم کو چاہیے کہ علم کو خوب پھیلائے اور جہل کا مقابلہ قوتِ علم سے کرے"۔ اسی سلسلہ میں شدید ضرورت محسوس ہونے پر احباب کے اصرار سے یہ مضمون لکھا گیا ہے، جو اگلے صفحات میں پیش ہے۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہو۔

[1] اکابر جماعت کا حال یہ ہے کہ شیخ الحدیثؒ، حاجی امداد اللہؒ، اکابر علماء دیو بند، بلکہ ائمہ مجتہدین اور علماءِ ربانیین پر زبان درازی اور رکیک حملوں پر تماشائی بنے رہتے ہیں اور اپنے کارکنان کو حدود اختلاف و اخلاق کی کوئی تلقین نہیں کرتے، لیکن جب کرم کندہ میں اپنی جماعت کے ایک امیر کے ساتھ بدسلوکی کی خبر پہنچی تو بلا تحقیق ہی "ترجمان" میں اکثریت کی زیادتی اور اپنی بے بسی کا واویلا مچانا، حدود اختلاف کی رعایت کی تعلیم دینا اور صبر کرتے ہوئے نصرت الٰہی کا انتظار کر لینے کی صوفیانہ باتیں بنانا یاد آیا۔ فیا للعجب!

تقلید کی ضرورت

تقلید نہ کرنے کی مضرات و مفسدات پر کلام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے خود تقلید کی حقیقت کو سمجھ لیں اور اس کو سمجھنے کے لئے ان مقدمات کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱) اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ اسلام میں مطلق اتباع و اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ جو شخص ان کے ساتھ اطاعت مطلقہ میں کسی اور کو شریک کرے تو وہ بالاتفاق اسلام سے خارج ہے۔ اس میں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے اور نہ ہی شک وشبہ کے لئے کوئی راستہ ہے۔[1] یہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ شاہد ہیں۔

۲) اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذریعہ اور وسیلہ قرآن و حدیث ہیں۔ اس لئے کہ نہ تو ہم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دُنیا سے پردہ فرمانے سے قبل مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور ہدایت و بقاء کا ضامن انہی دو چیزوں کو قرار دیا اور فرمایا: "میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں اپنے بعد چھوڑی ہیں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے"۔[2]

۳) قرآن و حدیث ہی جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا واحد ذریعہ ہیں اور ہم ان کی اتباع کے مامور و پابند ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ ان ذرائع کی اپنی خاص نگرانی و تدبیر سے قرآن و حدیث کی حفاظت و صیانت کا سامان فرمائے۔ چنانچہ قرآن کریم اور

[1] شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۱۳ جلد ۱

[2] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۸ جلد ۱

حدیث شریف دونوں ہی کی حفاظت کا اللہ پاک نے ذمہ لیا اور یہ دونوں علوم زمانہ نبوت سے اب تک ہر قسم کی خرد برد سے محفوظ ہو کر اس طرح منتقل ہوئے ہیں کہ عقلاءِ عالم کی عقلیں حیران اور اعتراف وتسلیم پر مجبور ہیں۔ (چوں کہ یہ تفصیل کا موقعہ نہیں اس لئے جنھیں نہ سمجھ میں آئے وہ تدوین قرآن وحدیث کے عنوان پر لکھی گئی تصنیفات کا مطالعہ کرلیں، وہاں دلائل نقلیہ وعقلیہ سے اس دعوے کو اس قدر مدلل ومستند کر دیا گیا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں رہی[1] ہمارا مخاطب جو طبقہ ہے وہ اس بات کا منکر نہیں اس لئے یہاں اس کے بیان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔)

۴) اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مجموعی طور پر انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام شعبوں کو شامل اور ان کی کلیات وجزئیات کے حامل ہیں، تاہم ان کا نزول و صدور اچانک یکجا طور پر نہیں ہوا بلکہ تدریجی وتدریبی طرز پر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے نزول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وتشریحات کا دور پورے تیئیس (۲۳) سال کی مدت طویلہ میں پھیلا ہوا ہے۔ باوجودیکہ کفار نے قرآن کریم ''جملۃً واحدۃً'' نازل ہونے کو بڑا اعجاز سمجھ کر اس کا مطالبہ کیا تھا[2] مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو نامعقول قرار دے کر تدریجی ترتیب ہی کو قائم رکھا کیوں کہ وہ بندوں کے زیادہ مناسب حال تھا۔ مختصر یہ کہ قرآن وحدیث میں جو احکامات مذکور ہیں، یہ نظریاتی خاکہ نہیں ہیں بلکہ عملی زندگی کے سدھار اور فرد و مجتمع کی درستگی کی کامیاب عملی شکل ہے۔ اسی وجہ سے نزول قرآن کے پورے تیئیس (۲۳) سالہ عہد اس کی ابتداء و انتہاء، احوال وکوائف، مواقع ووقائع، تعبیرات واصطلاحات اور بالخصوص دعوت محمدی ﷺ کے مزاج ومنہاج کو اچھی طرح جانے سمجھے بغیر احکامِ شرع کو محض ان کے ''الفاظِ ظاہرہ'' کے ''معانی معروفہ'' کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرنا نہایت ناسمجھی اور بے عقلی کی بات ہے۔

۵) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا دور دین اور صفاتِ اسلامی کی عملی تصویر ہونے کے اعتبار سے جامع ترین اور کامل ترین دور تھا۔ جب تک آپ موجود

---

[1] دیکھئے: مولانا مناظر احسن گیلانی کی تدوین حدیث

[2] الفرقان ۳۲

تھے سمع وطاعت آپ کے پروانوں کا شیوہ تھا اور آپ ﷺ کے بعد بھی عوام صحابہ ضرورت کے مواقع پر خواص صحابہ کے علم وفقہ کا اعتبار کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا یا دین میں نفسانیت اور ہوا وہوس کو راہ دینا وہ لوگ گویا جانتے بھی نہ تھے۔

اس کے بعد سے جیسے جیسے آپ کے دور سے دوری ہوتی گئی مسلمانوں میں تمام صفاتِ اسلامیہ مضمحل ہوتی چلی گئیں اور ایسا ہونا فطری وتکوینی امر تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود اپنے سے متصل قرونِ ثلثہ کو خیر القرون قرار دیا۔ حدیث دیانت میں صفتِ دیانت وامانت کے دھیرے دھیرے زوال پذیر ہونے کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''آخر میں ایسا دور آجائے گا کہ لوگ پورے پورے قبیلہ میں سے ایک آدھ شخص کا تعارف دیانت دار ہونے کی حیثیت سے کروائیں گے''۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہے کہ ہر آنے والا دور گذرے ہوئے دور سے باعتبار دین ودیانت کمتر ہوگا۔ خود ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخی تجربہ اس حقیقت کی صداقت پر ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مزید یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہی حال حافظہ کی پختگی، تقویٰ وپرہیزگاری، علومِ عالیہ میں تعمق وگہرائی، فنونِ آلیہ میں وسعت وگیرائی وغیرہ کا بھی ہے کہ خیر القرون کے بعد سے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ صفتیں اُمت میں قابل لحاظ حد تک انحطاط کا شکار ہوتی گئیں اور ہوتی جارہی ہیں۔

۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی سب مخلوقات کو یکساں قوت کا مالک نہیں بنایا ہے۔ ہر جنس مخلوق میں غور کیجئے اس کے انواع اور ہر نوع کے افراد کے مابین استعداد وصلاحیت میں نمایاں اور واضح فرق موجود ہے۔ ہر درخت برابر پھل نہیں دیتا۔ ہر لکڑی کی قوت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر پھول کی خوشبو مساوی نہیں ہوتی۔ ہر زمین کی پیداوار برابر نہیں ہوتی۔ ہر جگہ کا پانی ایک قوت ولذت کا نہیں ہوتا، ہر ستارہ کا حجم اور روشنی برابر نہیں ہوتی۔ ہر انسان کی عقل برابر نہیں ہوتی، ہر ایک کی بینائی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا ہاضمہ ایک طرح کا نہیں ہوتا، ہر ایک کا حسن جدا ہوتا ہے وغیرہ۔ بے شمار مثالیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ و مصالح تکوینیہ سے اپنی مخلوقات حتیٰ کہ انسانوں کی بھی استعدادوں میں بیّن تفاوت رکھا ہے۔ بلاشبہ

وہ مدبر کائنات اور قیوم الارض والسماوات ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ پس جس طرح اس نے تمام مخلوقات کی استعدادوں وصلاحیتوں میں کمی بیشی کا فرق رکھا ہے اسی طرح انسانی صلاحیتوں میں بھی اس کا یہ قانون جاری وظاہر ہے، چنانچہ اس نے علم وفہم، عقل وخرد میں بھی اپنے سب بندوں کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا۔ ارشادِ ربانی ہے : **فوق کل ذی علم علیم**[1] ''ہر صاحب علم سے بڑا عالم موجود ہے''۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا **لیلنی منکم اولو الاحلام والنھی**[2] تم میں سے جو لوگ صاحب فہم ودانش ہیں، وہ نماز میں مجھ سے قریب کھڑے ہوا کریں۔ اس کے علاوہ بے شمار مثالیں ہیں جو اس حقیقت کے عندالشریعت مسلم ہونے پر دال ہیں کہ علم وفہم میں سب مسلمان برابر نہیں ہوسکتے، فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

۷) دین کے احکام عبوری طور پر دو طرح کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو بالکل واضح، عام فہم اور محکم ہیں جنھیں پڑھنے کے ساتھ ہی کوئی زبان داں بغیر کسی حاجت تشریح وتوضیح کے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں ایمانیات یعنی عقیدہ توحید ورسالت وآخرت اور حسن اخلاق وعادات اسی طرح حسن معاملت ومعاشرت، بندگی وعبادت کے عام احکام وغیرہ شامل ہیں۔ بڑا حصہ دین کا ایسا ہی ہے اور بعض احکام متشابہ، محتمل المعانی، یا بظاہر متعارض ہیں۔ جنھیں پڑھنے یا سننے کے بعد ایک عام آدمی علم وفہم کی کوتاہی کی وجہ سے اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ نہ وہ کوئی مفہوم متعین کر پاتا ہے، نہ تعارض کو دور کر پاتا ہے، نہ ہی ان کے مختلف محمل تلاش کر کے ان پر انطباق کی سکت رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے سامنے اس سلسلہ کی تمام باتیں بہ یک وقت موجود نہیں ہوتیں۔ اس قسم میں حلال وحرام، طہارت و نجاست، نکاح وطلاق اور دیگر معاملات وعبادات کی بہت سی جزئیات داخل ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے جو جاہل تو جاہل، عام پڑھے لکھے آدمی کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ اس کے لئے کسی راسخ فی العلم، قرآن وحدیث کے ماہر اور عربی زبان وادب پر قادر، ساتھ ہی دیانت دار وپرہیز گار عالم دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر مسئلہ میں اس سے متعلق تمام نصوص، ان کی درایتی وروایتی حیثیت اور

۱ یوسف ۷۶

۲ مسلم کذافی مشکوۃ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱

استدلالی قوت کی اچھی طرح چھان بین میں اپنی بساط بھر جہد وسعی کر کے ناسخ ومنسوخ، مقدم و مؤخر، اسباب ترجیح اور وجوہ توفیق وتطبیق وغیرہ جیسے اُصول کے ذریعہ ان کی شرعی حیثیت کو متعین کر سکے اور خلاف وتضاد ظاہری کو دور کر سکے۔ چنانچہ ارشاد ہے : ''جس شخص نے بغیر علم کے فتوای دیا تو اس کا وبال اسی پر ہے''۔[1] پس معلوم ہوا کہ احکامِ دین کی اس دوسری قسم کو سمجھنے کے لئے بڑے علم وفہم کی ضرورت ہے، یہ کام نہ ہر شخص کے بس کا ہے، نہ ہی ہر شخص کو اس کا مکلف بنایا جاسکتا ہے۔ اگر ہر فرد بشر کو اس قدر علم کے حصول کا پابند کیا جاتا تو تکلیف مالایطاق ہو کر پورے نظامِ معیشت کی تباہی کا سبب ہو جاتا اور کارخانہ عالم کا نظام ہی ٹھپ پڑ جاتا، اس لئے اس کو عادۃً ناممکن تسلیم کیا گیا ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم**[2] **ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم**[3] جیسی آیات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

۸) جب ایسی بات ہے کہ قرآن وحدیث میں کچھ احکام ومسائل ایسے بھی ہیں کہ معمولی واقفیت اور سطحی علم کے ذریعہ ان کے حقیقی منشا اور صحیح مراد کو نہیں پایا جاسکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر بہت زیادہ علمی استعداد اور وفورِ علم وفہم پیدا نہیں کر سکتا تو لازماً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُمت ہر زمانہ میں دو طبقوں میں منقسم رہی ہے اور رہے گی۔ ایک وہ جو مختصر علم ودانش رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو علم دین کی تفصیل اور دلائل ونظائر کی وسعت کا حامل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کم علموں کے لئے ایسی صورت میں دین پر ثابت قدمی واستقامت اور ہر طرح کی گمراہی سے حفاظت کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اُمت کا یہ عوامی طبقہ جو دین کے مآخذ کا علم نہیں رکھتا وہ ان علماء دین اور ائمہ مجتہدین پر دین کے ان مختلف فیہ مسائل میں کامل اعتماد کرے اور ان سے پوچھ پوچھ کر اطاعت خدا ورسول کا فریضہ ادا کرتا رہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس پہلے طبقے کو مقلد دوسرے کو مجتہد کہتے ہیں **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون**[4] جیسی آیات اور **انما شفاء العی السؤال** ،

۱ ابوداؤد صفحہ ۳۲۱

۲ التوبہ ۱۲۲

۳ النساء ۸۳

۴ النحل ۴۳

اور فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر [۱] جیسی احادیث کا یہی مطلب ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب یہ قلیل العلم طبقہ دین اور اصول دین سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا تو اس کا کسی "عالم مجتہد" سے اس کے قول کی دلیل پوچھنا محض لغو ولایعنی اور فضول ہے اس لئے کہ اگر وہ بتلا بھی دے تو یہ بے چارہ کیا خاک سمجھ سکتا ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب کوئی عامی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خدا ورسول کا کیا حکم ہے؟ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خدا رسول کچھ بھی کہتے ہوں گے، یہ بتلائے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ —— جب کہ غیر مقلدین اسی طرح باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عالم مجتہد جو جواب دیتا ہے، دراصل اپنے نزدیک اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی جو انتہائی تحقیق ہے اس کو بتلاتا ہے نہ یہ کہ محض اپنی جانب سے کوئی فیصلہ بلادلیل کر دیتا ہو، جب یہ بات ہے اور واقعۃً بھی یہی ہے تو پھر اس پوچھنے اور بتلانے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مطلقہ میں کسی غیر کی شرکت ہرگز نہیں ہوتی، نہ مقلد کی جانب سے نہ مجتہد کی طرف سے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عوام کے لئے یہی ایک راستہ ہے اور عین موافق عقل وفطرت ہے۔ [۲]

۹) ان تمام تفصیلات کے بعد تقلید کی تعریف ملاحظہ کیجئے :

(الف) التقلید . عبارة عن اتباع الانسان غیرہ فیما یقول اویفعل ، معتقدا للحقیة فیہ من غیر نظر وتامل فی الدلیل . [۳] یعنی تقلید عبارت ہے آدمی کا اپنے غیر کے قول یا فعل کا اس کے حق ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے دلیل کو دیکھے اور پرکھے بغیر اتباع کر لینا۔

(ب) التقلید . العمل علی قول من لاحجة لہ بلاحجة [۴] یعنی "تقلید نام ہے

۱ ترمذی صفحہ ۳۷۵ جلد ۵

۲ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں حتی کہ غیر مقلد حضرات کے ہاں بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کی عوام نہ ہر مسئلہ کی خود تحقیق کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے علماء پر اعتماد سے گریز کر سکتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ تقلید کریں تو عین توحید ہے اور ہم کریں تو سراسر شرک وکفر! کوئی حد ہے اس ظلم وجہل کی؟

۳ کتاب التعریفات للجرجانی ص ۶۲ ۴ تیسیر التحریر صفحہ ۲۴۱ جلد ۴

ایسے شخص کی تحقیق شرعی پر بلا طلب دلیل عمل کر لینے کا جس کا قول فی نفسہٖ حجت نہیں ہے"۔ ہاں! بدلائل شرعیہ و بحوالہ قرآن وحدیث ضرور حجت ہے، اس لئے کہ عالم، اظہار وارشاد علم پر اور جاہل استرشاد واستفسار پر اللہ ورسول کی طرف سے مامور ہے۔ مگر چوں کہ دلیل کو سمجھنے کی استعداد نہیں اس لئے طلب دلیل اس کے حق میں فضول ہے۔ اس لئے کہ اگر دلائل کو سمجھنے اور ان میں فرق کرنے کا اہل ہوتا تو وہ خود مجتہد ہوتا مقلد نہ ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ شخص جس کے پاس قرآن وحدیث کا پورا علم نہیں اور شریعت مطہرہ کے مزاج کے موافق ہر مسئلہ کے مالہ وماعلیہ سے پوری طرح باخبر و واقف نہیں وہ کسی عالم مجتہد کی دیانت وامانت، تفقہ فی الدین اور وفورِ علم وفہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے اس مسئلہ کے استنباط واستخراج کی تفصیل ودلیل معلوم کئے بغیر صرف مسئلہ معلوم کر کے عمل کر لے وہ بھی صرف مبہمات میں نہ کہ محکمات میں۔ یعنی صرف ان مسائل میں جو مفہوم کے اعتبار سے مبہم، معانی کے لحاظ سے محتمل ومتشابہ، مضمون کی حیثیت سے بظاہر متعارض یا مضطرب ہوں۔ اب تقلید کی تعریف اور تشریح معلوم ہو جانے کے بعد کون شخص ہوگا جو صاحب عقل ودانش بھی ہو اور تقلید کی ضرورت کا منکر بھی ہو؟

یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اسلام اور ائمہ دین نے اس ضرورت کو تسلیم اور اس کے موافق عمل کیا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہور امت کا اس پر اتفاق واجماع [۱] ہے کہ عوام الناس کے لئے سب سے اسلم ومحفوظ راستہ تقلید ہی کا ہے اور یہ کہ تقلید، قرآن وحدیث تعامل صحابہ اور عقل سلیم کے ذریعہ ثابت وواضح ہے، اس کی تفصیل ہمارے علماء نے چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابوں میں جمع کر دی ہے۔ وہ مطبوع ہیں اور ہر دوکان پر دستیاب بھی۔ تعصب سے آزاد ہو کر دیانت وامانت کے ساتھ ان رسائل کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ سرمہ بصیرت ثابت ہوگا۔

۱۰) گذشتہ تفصیل سے اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی کہ تقلید نہ کفر وشرک ہے نہ بدعت وضلالت، بلکہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت، اہم دینی ضرورت اور ثبات علی الحق کا محفوظ ومؤثر وسیلہ وذریعہ ہے۔ اس کے بعد شاید ایک سوال رہ جاتا ہے وہ یہ کہ تقلید واقعی اہم اور ضروری سہی مگر کسی ایک امام

۱ راہ اعتدال صفحہ ۵۳-۵۴

مجتہد کی تقلید کی پابندی کیوں ضروری ہے؟ مقلد کو اختیار ہے کہ وہ جب جس کی چاہے تقلید کرلے۔

سوال کا جواب یہ ہے کہ جائز تو دونوں صورتیں ہیں اور تعامل صحابہ وتابعین سے ثابت بھی۔ لیکن آپ غور کریں گے تو سمجھ میں آئے گا کہ تقلید کی دو اہم مصلحتیں ہیں: ایک شارع کے صحیح منشاء پر عمل آوری، دوسرے ہوا وہوس کے شکار ہوجانے سے حفاظت۔ تقلید مطلق کے ذریعہ غیر مجتہدین کے لئے پہلی مصلحت کا حصول ممکن ہوگا۔ مگر تجربہ وتعامل عام سے جب یہ بات محقق ہوئی کہ ہوا وہوس کے عموم اور دیانت وامانت ورع وتقویٰ کی دن بہ دن کمی کی وجہ سے اتباع دین کے بجائے اتباع نفس ورائے کے خطرات بڑھ گئے ہیں بلکہ روز افزوں ہیں ——— جب کہ اسلام اتباع ہوئی وہوس کو خطرناک مہلکہ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی شناعت وخباثت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا[1] یعنی ''نبیوں کے بعد پھر ایسے ناخلف لوگ وجود میں آگئے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانیہ کے درپے ہوگئے، سوعنقریب یہ غی میں داخل کئے جائیں گے''۔ اسی طرح حدیث پاک میں ''اعجاب کل ذی رای برایه'' کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا اور ''ھوی متبع'' کو مہلکات وموبقات میں سے فرمایا گیا ہے ——— اس لئے اُمت کو اس موذی مرض سے بچانا بھی بہت ضروری تھا۔ جس کے نتیجہ میں دین ومذہب کا اتباع ختم ہوکر ہوائے نفسانیہ کا بازار گرم ہوجاتا ہے اور اللہ ورسول ﷺ کے احکامات ہوس پرستی، موقعہ پرستی اور تاویلات باطلہ کے ذریعہ کھیل تماشہ بن جاتے ہیں۔ (جس کی واضح اور خطرناک و شرمناک مثالیں مضمون کے دوسرے حصے میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے) تو بعد کے علماء نے بڑی دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اُمت کے لئے تقلید شخصی کو ''سدُّ الذریعہ'' لازم اور ضروری قرار دے دیا۔ جس پر اُمت کے علماء کرام کا سلفاً وخلفاً اجماع ہوگیا اور تواتر وتوارث کے ساتھ آج تک قائم ہے۔ فالحمدللہ علی نعمانه الشامله و الاء ه الکامله۔

[1] مریم ۵۹

۱۱) ادھر کچھ عرصہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت کی جانب سے جس میں بعض اہل علم وفضل اور اکثر کم علم وغیر معتبر حضرات شامل ہیں تقلید کا یہ مسئلہ بڑی شد ومد بلکہ غلو وافراط کے ساتھ اُٹھایا جارہا ہے۔ گو ہر زمانہ میں ناقابل لحاظ چند علماء ''نفس تقلید'' یا ''تقلید شخصی'' کی ضرورت کے مخالف و منکر رہے، لیکن ان حضرات میں اعتدال تھا اور وہ اپنی تحقیق میں معذور تھے۔ پھر ان کا طریق اختلاف بھی بہت حد تک مخلصانہ ومنصفانہ ہوا کرتا تھا۔ نیز وہ لوگ مقلدین کی حقانیت، ائمہ مجتہدین کے عالی مقام، وفور علم اور مخلص فی المذہب ہونے کے نہ صرف بدل وجان قائل تھے بلکہ ان کے احترام واکرام وتعظیم مقام میں کسی قسم کی کوتاہی یا کم ظرفی سے کوسوں دور اور بے تہذیبی وبے ادبی سے سخت نفور تھے، مگر اب اس جماعت میں ایک ایسا کم فہم وناسمجھ طبقہ وجود میں آیا ہے جو مبادیات دین واُصول دین سے قطعاً ناواقف اور بالکل سطحی ذہن ومزاج کا حامل ہے۔ اس کے بچہ بچہ کا حال یہ ہے کہ چند حدیثیں، چند محدثین کے نام، چند مسائل کو لے کر اُمت میں تفریق وانتشار تفسیق و تکفیر اور اپنے علاوہ پوری اُمت اسلامیہ کو کبھی مشرک، کبھی یہودی اور کبھی ائمہ کے پجاری اور خدا جانے کن کن الزامات سے نوازتے رہتے ہیں۔ صبح وشام کا مشغلہ اور زبان وقلم کا استعمال ائمہ کرام اور علماء عظام کی توہین کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ جاننے والے جانتے بوجھتے اور نہ جاننے والے انجانی ونادانی میں وہ منہ شگافیاں اور خامہ زوریاں دکھارہے ہیں کہ خرد سرپیٹ رہی ہے اور دین ودیانت کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اخلاق وشرافت سرنگوں ہوچکے ہیں اور جب سے عرب ممالک کے چند آزاد خیال واباحیت پسند علماء ان کے ہاتھ لگ گئے اور جال میں پھنس گئے تب سے تو کیا کہنا! ان جہالتوں کی کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ وہ باتیں میں آگے نقل کروں گا جن سے آپ ہمارے اس دعوے کا ثبوت پائیں گے۔[1]

[1] اللہ روحوں کو ٹھنڈی رکھے اور بے انتہا رحم فرمائے ان علماء راسخین پر جنھوں نے عوام اُمت کے لئے اپنی بصیرت خداداد کے ذریعہ تقلید کو واجب کرکے اس آزادی وبے راہ روی سے بچالیا ورنہ کیا عجب کہ اس دین کا اسی وقت جنازہ نکل گیا ہوتا، اور آج ہمیں خدا کا یہ دین نفس پرستوں کا کھلونا بن کر پہنچا ہوتا، حیرت ہے کہ ان چشم کشا تجربات کے بعد بھی ان اللہ والوں اور پاک بازوں کی جلالت علمی وبلند نگاہی کا یہ لوگ اعتراف نہ کرسکے۔

یہ لوگ اپنے کو اہل حدیث، سلفی، اثری، محمدی، مدنی اور خدا جانے کن کن ناموں سے موسوم کرتے ہیں، مگر حقیقی صورت حال یہ ہے کہ یہ لوگ حدیثوں کا نام ضرور لیتے ہیں مگر اپنی منتخب و اختیار کردہ حدیثوں کے علاوہ دیگر حدیثوں پر عمل نہیں کرتے، خواہ وہ احادیث صحیحہ ہی کیوں نہ ہوں۔ سلفی کہلاتے ہیں مگر سلفِ صالحین کے سخت مخالف ہیں، اثری بنتے ہیں مگر نہ کسی صحابی کے اثر کو قبول کرتے ہیں نہ تابعین وائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں۔ محمدی بننے کا شوق ہے مگر اسوۂ محمدی سے کوسوں دور ہیں۔ مدنی لکھتے ہیں مگر ہیں ہندوستانی، واقعہ یہ ہے کہ جو حال ان کا اپنی نسبتوں کے ساتھ ہے وہی پورے دین کے ساتھ ہے۔

۱۴) الغرض دین پر ثبات کی ایک تو تقلید واتباع والی شکل تھی جسے بفضل اللہ تعالیٰ وعونہ جمہور علماء کرام اور مسلمانوں کے ''سوادِ اعظم'' نے اختیار کیا اور الحمدللہ کہ یہ لوگ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کتاب وحکمت کے منشاء کے مطابق، علماء راسخین ائمہ مجتہدین اور سبیل المؤمنین کے اتباع کی برکت سے آج تک ہر قسم کی بے راہ روی اور گمراہی، بے ادبی و بے تہذیبی اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کے جرم سے محفوظ و مامون ہیں (عملی کوتاہیاں علاحدہ چیز ہیں، اس سے نہ وہ خالی ہیں نہ ہم!) اور جس قدر بھی اعمال، اشغال، موعظت، تذکیر، اصلاحِ اُمت کی مساعی، فرقِ باطلہ ضالہ کا مقابلہ، الحاد وارتداد کے حملوں سے ملت کا دفاع، عقائد اسلامی کا تحفظ، مختصر یہ کہ حفاظت واشاعت اسلام کی جو بنیادی وکلیدی محنتیں پورے عالم میں اس وقت تک ہو رہی ہیں —— کس طرح اللہ کا شکر ادا کیا جائے کہ —— بفضلہٖ تعالیٰ وہ سب اسی جماعت حقہ اور اسی سوادِ اعظم کے حصہ میں آئیں۔ اللهم لانحصى ثناء اعليك انت كما اثنيت على نفسك.

اس کے برخلاف جن لوگوں نے دوسری صورت ''خود مختاری وآزادی'' کو اختیار کیا، تقلید کو غیر ضروری بلکہ کفر و شرک کے برابر جرم سمجھا اور اس نہایت معقول ومقبول، فطری اور ثابت من الکتاب والسنہ طریقہ کار کی نامعقول وغیر مستند طریقہ سے مخالفت کرتے رہے، تاریخ وتجربہ شاہد ہے کہ نہ ان کی منطقی گاڑی زیادہ دور تک چل سکی نہ ہی ان کی عقلوں نے بہت دیر تک یاری کی، کچھ دور اور کچھ مسائل تک گرتے پڑتے چلے۔ بات آمین بالجہر، رفع یدین، قرأت خلف الامام جیسے چند

جزوی اور محض ترجیحی مسائل سے ذرا آگے بڑھی تو پھر —— اللہ ہی رحم فرمائے —— بیچارے کہیں کے نہ رہے، پھر جب اپنے کو ان مسائل کے آگے عاجز پایا اور دیکھا کہ ''ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں'' تو اللہ کے یہ بندے پہلے بے باکی، پھر سخت کلامی، پھر بدزبانی پر اتر آئے حد یہ کہ ائمہ و علماء حتیٰ کہ صحابۂ عظام کی شان میں جرأت وگستاخی سے تک نہ بچ سکے، پھر انھوں نے بہت سے مسائل میں تقلید سے کتراتے ہوئے بھی اجتہاد وتقلید کے جو گل کھلائے ہیں انھیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دراصل عدم تقلید کا یہی سب سے بڑا مضر ومفسد پہلو ہے۔ جس نے اباحیت واجازت کا نہ بند ہونے والا باب کھول دیا ہے جسے دیکھو بخاری کا ترجمہ ہاتھ میں لے کر ائمہ کرام وصحابہ عظام کا وزن تولنے اور گردن ناپنے پر تلا ہوا ہے۔ نہ اُصولِ تفسیر سے باخبر ہوتا ہے نہ ہی اُصولِ حدیث کی کچھ شدبد ہوتی ہے نہ صحیح کی فنی تعریف معلوم ہے، نہ ضعیف کی حقیقت سے واقف! مگر اصرار یہ ہے کہ فقہاء اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں حدیث صحیح کو چھوڑ کر مخالفت نبی ﷺ کے مجرم ہوئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ تو ان کی نظر عالی میں کسی حساب میں نہیں آتے۔ انھیں وہ حدیث کے میدان میں ''طفل مکتب'' بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آج چھوٹے چھوٹے مکتبوں میں کمسن بچے کم از کم چالیس احادیث تو سنا ہی دیتے ہیں اور نام نہاد اہل حدیثوں —— غیر مقلدوں —— کے نزدیک امام اعظم صرف سترہ حدیثوں سے باخبر تھے۔ فیاحسرة عليهم ويا للعجب او ران مفلس العلم. مدعیان ''عمل بالحدیث'' کی کجروی وگمرہی کی صورت حال کا یہ نقشہ ممکن ہے ان کے قلوب پر ہمارے قلم سے بہت شاق گذر رہا ہو اور ذہن پر بار گراں ثابت ہو رہا ہو، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اسی جماعت کے حصلب اور پختہ خیال بزرگان واکابر کے قلم سے اپنی جماعت کی تعریف وتعارف میں نکلے ہوئے چند جواہر پارے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں، کیوں کہ مشہور ہے: صاحب البيت ادرى بمافيه اگرچہ ہم بھی بے خبر نہیں، مگر کہنے کا زیادہ حق ان کو پہنچتا ہے اور وہ اچھی طرح کہہ سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

—— نواب صدیق حسن خاں صاحب جو اس جماعت کے قائل اور صاحب تصانیف علماء میں سے ہیں، اپنی جماعت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن وحدیث کے علم اور ان پر عمل کا مدعی ہے حالاں کہ اس فرقہ کو علم وعمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے''۔[1]

''تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیوں کر اپنا نام خالص موحد رکھتے ہیں اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک کہتے ہیں، حالاں کہ یہ خود سب لوگوں سے بڑھ کر سخت متعصب اور غالی ہیں''۔[2]

— اور ایک بڑے غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالویؒ فرماتے ہیں:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر وارتداد، فسق وفجور کے اسباب کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے، گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوجاتے ہیں''۔[3]

— صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزماں حیدر آبادی رقم طراز ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماع کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر میں لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انھوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب وسنن اور اخلاق نبوی ﷺ سے کچھ مطلب نہیں، غیبت،

---

۱ الحطہ فی ذکر صحاح الستہ صفحہ ۱۳
۲ ایضاً
۳ اشاعۃ السنہ شمارہ ۲ جلد ۱۱

جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں''۔[1]

— ماہنامہ ''اہل حدیث'' دہلی کے ایڈیٹر نے تو اپنے گھر کا سب کچھ کچا چٹھا سامنے رکھ دیا ہے اور تازہ ترین صورتِ حال سے واقف کرادیا ہے:

''ہماری جمعیت مسلک کی دعوت وتبلیغ کے لئے نہیں بلکہ روپیہ، اقتدار کی ہوس کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے، عوام کو بے وقوف بنایا جارہا ہے اور مسلک و جماعت کے نام اور منصب کا بلیک میل کیا جارہا ہے۔ جس شخص کے پاس جمعیت کا عہدہ اور منصب ہو وہ پہلے اس کے ذریعہ عرب دنیا میں چمکتا ہے، پھر اپنے کاروبار کو وسیع کرتا ہے، کیوں کہ اس منصب کے ذریعہ ویزا اور عرب شیوخ تک رسائی بہر حال آسان ہوجاتی ہے''۔[2]

ہمارا موضوع ہے: ''عدم تقلید کی دینی مضرتیں'' آپ فیصلہ کیجئے اکابر غیر مقلدین نے ترک تقلید کے مضرات ونقصانات کا جو تجزیہ وتجربہ پیش کیا ہے اس کے بعد بھی مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا غیر مقلدین کی فکری وعملی گمراہی کا یہ چشم دید نقشہ، عینی مشاہدہ ترک تقلید کے ہر طرح مضر ہونے کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں —— بات اب بھی نہیں سمجھ میں آئی تو آگے چلئے، راقم اپنے چند ذاتی تجربات پیش کرتا ہے:

۱) میں نے مسجد نبوی شریف کے صحن میں ایک غیر مقلد نوجوان کو یہ تقریر کرتے ہوئے سنا:

''حنفی لوگ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آکر انھیں زندہ سمجھ کر سلام کرتے ہیں اور ان سے سفارش واستغفار کی درخواست کرتے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اے نبی! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اب مجھے بتاؤ کہ مردوں کے پاس آکر

---

۱ حدیث اور اہل حدیث صفحہ ۱۰۳
۲ مجلہ اہل حدیث ص ۲ مارچ ۹۰ء

اس طرح کہنا کیسے جائز ہوگیا؟''

صرف نظر اس کے کہ ہمارا عقیدہ اس سلسلہ میں کیا ہے اور کیوں ہے، صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ انداز بیان اور کلماتِ گستاخانہ کس ذاتِ عالی کے متعلق کہے جا رہے ہیں، آپ اس کا تصور کریں اور منکرین تقلید کی اس بے تہذیبی پر آنسوؤں کے بجائے خون روئیں۔

۲) حرم شریف ہی میں ایک دوسرے غیر مقلد نوجوان کی تقریر :

''مسلمانو! تمہاری وہ نمازیں جو تم نے حنفی طریقہ سے پڑھی ہیں ایک بھی نہیں ہوئی۔ ساری زندگی برباد ہوگئی، اب تو کم از کم نماز پڑھنا سیکھ لو، بغیر رفع یدین کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہمارا امام صرف ہمارا نبی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو امام ماننا شرک ہے۔ سعودی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حرم مکہ میں سے چار مصلے ختم کر کے سب مسلمانوں کو ایک امام پر جمع کیا، جب تک سعودی حکومت نے مسجد حرام میں سے چار مصلے نکال کر کچرے میں نہیں پھینک دیئے جب تک حرم میں بھی شرک گھسا ہوا تھا''۔

میں ان ہفوات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے آپ صرف نشان زدہ جملوں پر غور کر لیجئے۔

۳) ایک غیر مقلد امام مسجد کی تفسیر بالرائے ملاحظہ فرمایئے :

''جو نمازیں چھوٹ گئیں ان کی قضا نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن میں ہے : نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، اس لئے بس توبہ کر لینا کافی ہے''۔

۴) انہی کی یہ تفسیر بھی غور سے پڑھئے اور سر دھنیئے :

''ان اللہ وملٰئکتہ (الآیۃ) کا ترجمہ دراصل یہ ہے : اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ سے اپنے نبی پر قرآن اُتارا ہے، اے ایمان والو تم اس قرآن پر عمل کرو''۔

دیکھئے ظالم نے اس بدترین من گھڑت توجیہ کے وقت، عقل، علم، لغت سب کچھ بالائے طاق رکھ کر یہود و نصاریٰ کی طرح تحریف کتاب کا ارتکاب کیا ہے۔

۵) ایک غیر مقلد خطیب صاحب خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمارہے ہیں :

''ائمہ اربعہ کو برحق کہنے والے کو اپنے منہ کی طہارت لینی چاہیے''۔

۶) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جماعت صحابہ میں بڑے عالم وفقیہ سمجھے جاتے ہیں، تاریخ اسلام اور تاریخ صحابہ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے، لیکن ایک غیر مقلد کے سامنے ان کی روایات پیش کی گئیں تو جواب ملتا ہے :

''ان کو چھوڑو، ان کا حافظہ کمزور تھا وہ بہت باتوں کو بھول جایا کرتے تھے''۔

۷) ایک صاحب کا قول ہے : ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء کہنا جائز نہیں''۔ جب کہ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض .[۱] ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض .[۲] خود قرآن میں موجود ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں جو گفتگو کے دوران خود کانوں سے سنی ہیں یا بعض رفقاء نے ان کے خطیبوں سے سن کر نقل کی ہیں۔ ان زبانی تجربات کے علاوہ ان کے کتب و رسائل کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ فرمایئے :

۸) حضرت عائشہؓ کا کیا مقام ہے، ہر مسلمان کو معلوم ہے وہ اُم المومنین ہیں اور ان کی پاکبازی کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے، لیکن ایک غیر مقلد عالم جناب عبدالحق بنارسی کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے : ''انھوں نے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) حضرت علی سے جنگ کر کے ارتداد کیا اور اگر بلا توبہ ان کی موت ہوئی تو یہ کفر پر موت ہے''۔[۳]

۹) حضرت عمر فاروقؓ صحابی رسول ہیں، خلیفہ دوم ہیں اور احادیث شریفہ میں ان کی اطاعت کا حکم موجود ہے، نبی نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان کے قلب و زبان پر حق کے جاری ہونے کی بشارت دی ہے، لیکن غیر مقلدین کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ نبی ان کے طریقہ کو سنت کہتے ہیں اور غیر مقلدین ان کے طریقہ کو بدعت عمری کہتے ہیں، یہ قول ملاحظہ کیجئے :

---

۱ سورۃ البقرۃ ۱۵۳   ۲ بنی اسرائیل ۵۵

۳ کشف الحجاب : ۳۱ بحوالہ مولانا عبدالرحمن پانی پتی از مولانا بنارسی

''بہت صاف صاف اور موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ان میں غلطی کی، ان مسائل کے دلائل سے وہ بے خبر تھے''۔ [1]

۱۰) ان لوگوں کا تراویح کو ''بدعت عمری'' کہنا اور حضرت عثمان غنیؓ کی جاری کردہ اذان ثانی کو ''بدعت عثمانی'' قرار دینا سب کو معلوم ہے، جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ بدعت بدترین گناہ اور دین میں زیادتی کی مذموم کوشش ہے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ اور خلیفہ ثالث ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ جیسے اکابر صحابہ کیا اس حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ [2]

۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں، داماد رسول ہیں، علوم اسلامی اور نبی امین کے امین ہیں۔ کتب حدیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ مگر نام نہاد اہل حدیث کا عقیدہ ہے :

''سیدنا علی کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافت راشدہ میں شمار کرنا صریحاً بددیانتی ہے''۔ [3]

۱۲) جنتی نوجوانوں کے سردار، ریحانۃ الرسول جگر گوشۂ فاطمہ بتول، حضرات حسنین کریمؓ جیسی قابل احترام ہستیوں کی تنقیص و توہین سے بھی اعمال نامہ ان کا خالی نہیں ہے :

''حضرات حسنین کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی یا اندھا دھند تقلید کی خرابی ہے''۔ [4]

۱۳) زاہد الامت، صحابی رسول، حضرت ابوذر غفاریؓ جن کی بڑے بڑے صحابہ کرام عزت کرتے تھے، غیر مقلدین ان کے احترام کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی تربیت اور شرف صحابیت، الٰہی قبولیت، سب کو نظر انداز کرتے ہوئے انھیں کیمونزم سے متاثر قرار دیا جا رہا ہے :

[1] طریق محمدی ۵۴

[2] شاید ان حضرات کا عقیدہ شیعوں کی طرح یہی ہوگا کہ بعض صحابہ نبی کے بعد صراط مستقیم سے بھٹک گئے تھے اور شاید اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (الاتاج المکلل ص ۲۹۲)

[3] خلافت راشدہ از حکیم فیض عالم صفحہ ۶۵ [4] سیدنا حسن ابن علی از حکیم فیض عالم صفحہ ۳۲

''ابن سبا کے کیمونسٹ نظریات سے متاثر ہو کر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے لٹھ لے کر بھاگ اٹھتے تھے''۔ [1]

۱۴) صحابہ کرام بھی بشر تھے، انبیاء کی طرح معصوم عن الخطاء نہ تھے، ان سے بلاشبہ غلطیاں ہوئیں لیکن ان کا سچی توبہ کرنا اور اس توبہ کا مقبول ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، ان کے لئے خلاف ادب زبان و قلم کا استعمال بالاتفاق حرام و ناجائز ہے۔ لیکن ایک غیر مقلد عالم کے دل کی بھڑاس دل پر پتھر رکھ کر پڑھیے کہ وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ماعزؓ اسلمی کے بارے میں کیا لکھتے ہیں :

''یہ (شخص) نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو مردوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جنس زدہ بدمعاش کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا تھا''۔ [2]

اسی طرح حضرت غامدیہؓ کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ :

''وہ آزاد قسم کی بدپیشہ عورت تھی''۔ [3]

۱۵) ائمہ جرح و تعدیل نے الصحابۃ کلھم عدول کہہ کر تمام صحابہ کو قابل اعتماد اور عادل ٹھہرایا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ تمام کے تمام دیانت دار، پاکباز اور صادق القول تھے، لیکن غیر مقلدین اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ :

''صحابی کا قول قابل حجت نہیں''۔ [4]

قصہ مختصر یہ کہ پوری جماعت صحابہ ہی غیر معتبر ہے، پھر جب اس محروم ادب جماعت کے سفاک ہاتھوں سے حضرات خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات اور عامۂ صحابہ کرام کا وقار و اعتبار نہ بچ سکا تو ان کے نزدیک محدثین و فقہاء کس قطار و شمار میں آ سکتے ہیں۔ خود ہی سمجھا

[1] خلافت راشدہ صفحہ ۴۳

اس بازاری زبان کا صحابہ کرام کے لئے استعمال کرنے والا اندازہ کر لیجئے کس ائمہ دین کو کیا سمجھے گا۔

[2] تدبر قرآن صفحہ ۳۷۰ جلد ۳۵ [3] تدبر قرآن صفحہ ۷۲ جلد ۵

[4] الاتاج المکلل ۲۹۲

جا سکتا ہے! پھر بھی نمونۃً چند مثالیں اس کی بھی پیش کی جاتی ہیں۔

۱۶) حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت والے مشہور واقعہ کو روایت فرمایا ہے۔ اس کی وجہ سے ان پر ''ایک غیر مقلد صاحب'' شدید برہم ہیں۔ اسی برہمی کی حالت میں امام بخاریؒ کے اعتماد و استناد کی دھجیاں یوں بکھیرتے ہیں :

''دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں''۔[1]

یعنی نادان پاگل ہیں، اس لئے کہ علمی اصطلاح میں ''مرفوع القلم'' نابالغ بچے یا مخبوط الحواس آدمی کے لئے مستعمل ہے۔

۱۷) امام ترمذیؒ عظیم محدث ہیں ''سنن ترمذی'' ان کی علمی یادگار ہے اور صحاح ستہ میں شامل ہے۔ دُنیا آج تک ان کا نام احترام سے لیتے آئی اور ان کی سنن سے فائدہ اُٹھاتی رہی ہے۔ ان کی سنن کے بارے میں بھی ''غیر مقلدین'' کی رائے معلوم کرلیجئے :

''معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کے بعد کسی سبائی ٹکسال میں انہیں (ان حدیثوں کو) گھڑا گیا ہے''۔[2]

مجھے نہیں معلوم ہوسکا کہ ہر مسئلہ میں صریح و صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والے غیر مقلدین نے کس کشف و کرامت کے ذریعہ یہ انکشاف کیا ہے؟

۱۸) ابن شہاب زہری زبردست محدث اور پایہ کے عالم ہیں۔ سب سے پہلے کہا جاتا ہے کہ ''تدوین حدیث'' کا انہیں کو شرف حاصل ہے۔ ان کے حق میں ایک غیر مقلد صاحب نے درج ذیل انکشاف کیا ہے :

''منافقین و کذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے۔ اکثر گمراہ کن، خبیث و مکذوبہ روایتیں ان کی طرف منسوب ہیں''۔[3]

۱؎ صدیقہ کائنات ص ۱۰۶　۲؎ ایضاً ص ۱۰۸
۳؎ صدیقہ کائنات ص ۸۰

۱۹) اہل سنت والجماعت سے تو ان لوگوں کو یہ بُغض و عداوت ہے جو آپ نے پڑھ لیا۔ اس کے بالمقابل روافض اور قادیانیوں سے قلبی تعلق و ہمدردی، مودت و محبت کس قدر ان میں پائی جاتی ہے، اسے بھی ملاحظہ کیجئے اور حضرات صحابہ کرام کے بارے میں ان لوگوں کا رافضیانہ عقیدہ ذرا کلیجہ تھام کر پڑھئے :

''کچھ صحابہ فاسق تھے، جیسا کہ ولید اور اس کے مثل کہا جائے گا معاویہ، عمرو، مغیرہ، سمرہ کے حق میں''۔ لایجوز لھم الترضی۔[1]

یعنی ان لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا جائز نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بلا استثنیٰ تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ فرمائیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سبق سکھا رہے ہیں کہ لایجوز لھم الترضی۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عاصؓ کے بارے میں کہتے ہیں :

''دونوں باغی، سرکش اور شریر تھے''۔[2]

۲۰) قادیانی باتفاق اُمت کافر ہیں۔ بچہ بچہ الحمدللہ اس سے واقف ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام کو فاسق، باغی اور سرکش و شریر قرار دینے والے غیر مقلدین کا ''قادیانی مرتدین'' سے حسن ظن اور اعتماد کا کیا حال ہے؟ ان کے بڑے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے سنئے :

''میرا مذہب و عمل یہ ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز سمجھتا ہوں، وہ شیعہ ہو یا مرزائی''۔[3]

نماز کی طرح وہ قادیانی عورت سے نکاح کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

''میرے ناقص علم میں مرزائن سے نکاح جائز ہے''۔[4]

دیکھئے اور دیدۂ عبرت سے دیکھئے! مسلمانوں کے سواد اعظم ''اہل سنت والجماعت'' سے کٹے تو کہاں جا کے پہنچے :

۱؎ نزل الابرار ص ۹۴　۲؎ رسائل اہل حدیث ص ۹۳
۳؎ اخبار اہل حدیث ۱۶/اپریل ۱۹۱۵ء　۴؎ ایضاً ۱۲/نومبر ۱۹۳۳ء

— کم علمی بلکہ جہالت و بے علمی کے باوجود تقلید کو حرام قرار دے کر ''عمل بالحدیث'' کے دعوے نے ان بے چاروں کو ضلالت و گمراہی کے جس دلدل میں پھنسادیا ہے اور جس طرح کے شرمناک وخطرناک فتاویٰ ان کے زبان وقلم سے صادر ہونے لگے ہیں، انھیں دیکھ کر ایک مخلص غیر مقلد عالم مولانا داؤد غزنوی کا بھی کلیجہ پھٹنے لگا اور وہ اپنی جماعت کی اس خطرناک صورت حال پر اس طرح ماتم کناں ہیں :

''جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے، پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے، یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر عالم کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں ان میں اتحاد و یکجہتی کیوں کر پیدا ہوسکتی ہے؟ یا غربۃ العلم انما اشکوبثی وحزنی الی اللہ''[1]

اس جماعت کی فکری آزادی اور مذہبی بے راہ روی نے اسے کہاں تک پہنچایا ہے؟ اس کی چند مثالیں آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے بعد ہر ایک صاحب سمجھ آدمی اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جائے گا کہ ترکِ تقلید دراصل گمراہی کا ایک دروازہ ہے۔ اس میں داخل ہونے والا ضلالت کی کسی بھی حد تک پہنچ سکتا ہے اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں ہے، تجربہ کار اور آزمودہ غیر مقلد علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالواحد خانپوری کا ارشاد ملاحظہ ہو :

''اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث وخلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و رافضی کے، یعنی شیعہ جس طرح پہلے مسلمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق تھے''[2]

(اسی طرح جھوٹے اہل حدیث بھی کفر ونفاق کا دروازہ ہیں)

۱ مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶
۲ التوحید والسنۃ ص ۶۲-۶۳

پھر انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ قادیانی، مرزائی، چکڑالوی جیسے ملاحدہ وزنادقہ سب اسی دروازہ سے برآمد ہوئے ہیں اور اپنے ایک مشہور زمانہ عالم کو تو ''خاتم الملحدین'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے ''غیر مقلدیت'' کے نتائج کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے جو ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے، چناں چہ نمونہ از خروارے :

مرزا غلام احمد قادیانی	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
اس کا خلیفہ حکیم نورالدین	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
سرسید احمد خاں	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
اسلم جیراجپوری	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
غلام احمد پرویز	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
عنایت اللہ مشرقی	پہلے غیر مقلد	پھر ملحد وبے دین
ڈاکٹر احمد دین	پہلے غیر مقلد	پھر ملحد وبے دین
عبداللہ چکڑالوی	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
نیاز فتح پوری	پہلے غیر مقلد	پھر دہریہ
مسعود احمد	پہلے غیر مقلد	پھر امام مفترض الطاعۃ

— ایک تازہ ترین مثال بھی اخیر میں ملاحظہ کیجئے جو مجھ سے یہیں کے ایک عالم دین نے بتلائی کہ ان کے علاقہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان دین کی طرف راغب ہوئے اور دھیرے دھیرے ترقی کرتے ہوئے ماشاءاللہ خاصے متبع سنت ہوگئے۔ وضع قطع اسلامی، نمازوں کی پابندی، حلال وحرام کی تحقیق اور تمام احکام کی پابندی کرنے لگے۔ اس بے چارے پر کسی غیر مقلد کی نظر پڑ گئی انھوں نے اسے سمجھایا کہ ''تقلید شرک ہے اور تم اتنی ساری محنت مقلد بن کر کررہے ہو بیکار ہے اور ہم (نام نہاد) اہل حدیث حضور ﷺ کے علاوہ کسی کی اتباع نہیں کرتے''۔ مختصر یہ کہ کسی طرح انھیں غیر مقلد بنایا۔ اب وہ ہر معاملہ میں ''حدیث صحیح'' کی تلاش کرنے لگے اور ان کو جب ان کی تحقیق میں کوئی صحیح حدیث نہ ملتی تو دھیرے دھیرے ایک ایک سنتِ نبی کو ترک کرنا شروع کیا۔ حدیثوں میں ایسے

اُلجھے کہ اپنی بے مائیگی علم اور اُصولِ دین سے ناواقفیت کی بناء انھیں حدیثیں ہی غلط و من گھڑت معلوم ہونے لگیں۔[1]

''نتیجتاً منکرِ حدیث ہوگئے'' اب خود ہی مے، خود ہی مے خانہ اور خود ہی جام و سبو بننے کا بدترین اور خوفناک انجام یہ ہوا کہ اس شخص نے خودانِ عالم سے کہا: (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

''کسی مسلک اور جماعت کا قصور نہیں ہے دراصل اُمت کو تو محمد (ﷺ) ہی نے طرح طرح کی باتیں کہہ کر کنفیوز (Confuse) کیا ہے اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں''۔

میں تو اس کی نقل کرنے کے لئے بھی بار بار سوچتا رہا اور ڈرتا رہا کہ کہیں اس کی نحوست میں شریک نہ کر دیا جاؤں۔ مگر ''نقل کفر کفر نہ باشد'' کے مدِنظر اُمت کو ترکِ تقلید کے خطرناک نتائج کی عملی شکل بتلانے اور انھیں خبردار کرنے کے لئے ضروری سمجھ کر نقل کر دیا اور مجھے اس شخص کے ان الفاظ اور اس کے گمراہ کن فیصلہ پر ذرا تعجب نہیں کہ اس کی مثل اور اس سے بڑھ کر بھی میں نے حیدرآباد کے تارکینِ تقلید جاہل نوجوانوں کی زبانوں سے سن لیا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے آمین۔

نہ معلوم ان کے بڑے کس خواب و خیال میں ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی کسی ''اسلام دُشمن سازش'' کا شکار تو نہیں ہوگئے؟[2]

اس لئے کہ انھیں اب بھی اپنے برحق ہونے پر اصرار ہے اور ان حالات کو دیکھ کر بھی سنبھلنے اور قوم کو سنبھالنے کے لئے تیار نہیں ہیں، بلکہ بقصد و ارادہ من گھڑت، خود ساختہ اور خانہ زاد الزامات وضع کر کے ہندوستان کے علماءِ احناف —— جو دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کے حق میں زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہیں —— کو علماءِ عرب کے سامنے مشتبہ و

---

[1] امام مسلمؒ نے مقدمہ میں بڑی پتہ کی بات فرمائی ہے کہ ''عوام الناس کے لئے جو اُصول سے ناواقف ہیں زیادہ احادیث کا معلوم ہو جانا مضر ہے''۔ ( ) اپنے کو محدثین کے طریق پر قرار دینے والے غیر مقلدین کم از کم اس عظیم المرتبت محدث کی اس نصیحت کو مان لیتے مگر......

[2] ان کے بقول جب ابن شہاب زہری جیسا محدث سازشوں کا شکار ہو سکتا ہے تو یہ بے چارے کس حساب میں آئیں گے؟

بدنام کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس سراسر جھوٹ و بہتان پر نہ اللہ سے شرم کر رہے ہیں، نہ حساب کے دن سے ڈر رہے ہیں، جس کی واضح مثال اور بیّن ثبوت ان کی تازہ عربی تصنیف ''الـدیـوبنـدیـه'' ہے، جس میں انھوں نے دین و دیانت، عدل و انصاف اور سچائی کا وہ خون کیا ہے جس کی اختلافاتِ اُمت کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے لبئس ما کانوا یصنعون۔

یہ ترکِ تقلید کی وہ دینی مضرتیں ہیں جن کے مدِنظر علماءِ متقدمین نے عوام مسلمین کو تقلید ہی نہیں ''تقلیدِ شخصی'' کا پابند کر کے ان مضرتوں اور خطرات سے محفوظ کر لیا تھا۔ کیسے کیسے علماء و محدثین، عباقرہ علم و عمل اور جبالِ دین و دیانت نے اس تقلید کا اہتمام کیا ہے آخر کس طرح ان سب کو گمراہ و مشرک قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دم سے اسلام زندہ رہا اور ہے:

خدا یاد آئے جنھیں دیکھ کے وہ نور کے پتلے
نبوت کے وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن و حدیث پر عمل کے لئے ان علماءِ ربانیین پر اعتماد کریں اور ''سبیل المومنین'' کی اتباع کے اپنے مسلم و متوارث طریق کو ان گمراہانِ فکر و خیال اور مفلسانِ علم و تقویٰ کے سطحی الزامات و اعتراضات سے متاثر ہو کر ترک نہ کر بیٹھیں، ورنہ جو حشر ان کا ہوا ہے وہ ہمارا بھی ہو سکتا ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه آمين برحمتك يا ارحم الراحمين.

□□□

باسمہٖ تعالیٰ

مختصر تذکرہ

سیدنا الامام الاعظمؒ

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت علیہ رحمۃ اللہ ورضوانہ

تحریر

مولانا محمد عبدالقویؒ

ناشر
ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اسم گرامی :

آپ کا اسم گرامی نعمان، کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم ہے۔ آپ نسلاً فارسی ہیں، آپ کے آباواجداد فارس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعضوں نے آپ کو غلام خاندان سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اولاً تو یہ خلافِ تحقیق بات ہے۔ ثانیاً اگر ایسا ہے بھی تو کسی کی فضیلت و بزرگی میں یہ چیز رکاوٹ ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی صحابیت و تابعیت پر غلامی جب اثر انداز نہیں ہوتی تو الامام الاعظمؒ ہی کے لئے یہ چیز خاندانی شرافت و نجابت کے حق میں نقصان دہ کیسے ہو جائے گی؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے: ''میرے مقرب متقی لوگ ہیں، جو ہوں، جہاں ہوں''۔

ولادت، جاءِ ولادت :

بہر حال الامام الاعظمؒ کی ولادت باسعادت عالم اسلام کے مایۂ ناز و تاریخ ساز شہر کوفہ میں سنہ ۸۰ ھ میں ہوئی۔ وہی کوفہ جس کی علمی و فقہی تعمیر کی خشت اول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ (جنہیں حضرت عمرؓ نے باوجود اپنے پاس ان کی سخت ضرورت ہونے کے بھی وہاں بھیج دیا تھا)۔ وہی کوفہ جس میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہوئے، جس کو پندرہ سو صحابہ کرامؓ کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جسے مدینۃ العلوم حضرت علیؓ نے علم سے بھرپور شہر قرار دیا، جہاں کے علماء و محدثین کے حافظہ، ذہانت اور علمی انہماک پر ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے رشک فرمایا تھا، جہاں احادیث الرسول کا اس قدر ذخیرہ تھا کہ امام بخاریؒ کے استاذ حضرت عفانؒ فرماتے ہیں: ''اگر ہم کوفہ میں احادیث جمع کرنے کا اہتمام کرتے تو ایک لاکھ احادیث جمع کر لیتے''۔ جہاں سے علمی فائدہ اُٹھانے والوں میں بخاری اور ترمذی جیسے محدثین بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ الامام الاعظم کا مولد اپنے زمانہ کا سب سے بڑا علمی مرکز و محدثین کا مخزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کی بہت بڑی

تعداد کوفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ کوفہ کی بات آئی تو ہم نے اس کا ذکر تفصیل سے اس لئے کیا کہ، حول کے پس منظر میں اندازہ کیا جاسکے کہ رجال علم و جبال فہم اکابر صحابہؓ و مشاہیر تابعین کے مبارک و منور ماحول میں پیدا ہونے، پروان چڑھنے، ان سے ملاقاتیں کرنے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے اور انہی محدثین کبار کے آگے تحصیل علم کے لئے زانوئے ادب تہہ کرنے والے الامام الاعظمؒ کا علم، فقہ و فہم، طرز استدلال طریقۂ اخذ احکام اور اس معاملہ میں ورع و تقویٰ، اہتمام و احتیاط کس اعلیٰ درجہ کا ہوگا اور جو لوگ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے الامام الاعظمؒ کو قلیل العلم یا علم حدیث سے بے بہرہ قرار دے کر آپ کے فقہی مسلک کو ضعیف و مشکوک ثابت کرنے کے لئے تارِ عنکبوت جیسے اعتراضات کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک مبنی بر صداقت و دیانت ہیں؟!

شرف تابعیت :

الامام الاعظمؒ نے حضرات صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے۔ بعضوں نے ستر صحابہ سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کی تحقیق نہیں، البتہ ۲۲ صحابہ کرامؓ کی سنین وفات کو سامنے رکھ کر ان سب سے الامام الاعظمؒ کی ملاقات کے قوی امکانات کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ تاریخی شواہد کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ الامام الاعظمؒ نے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ، سہل بن سعدؓ، جابر بن عبداللہؓ، راشد بن الاسقعؓ، معقل بن یسارؓ، ابوطفیلؓ، عبداللہ بن انیسؓ، عبداللہ بن جزءؓ، عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم سے تو بہر حال ملاقات فرمائی ہی تھی۔ تابعیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے ایک صحابی کی ملاقات ہی کافی تھی۔ چہ جائیکہ اتنی تعداد، بلکہ بقول حافظ ذہبیؒ کے حضرت انسؓ سے الامام الاعظمؒ نے متعدد بار ملاقات فرمائی ہے۔ علماء حدیث نے اس پر اتفاق فرمایا ہے کہ آپ نے اصحاب رسول ﷺ سے روایات بیان کی ہیں۔

کسبِ حلال :

الامام الاعظمؒ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ آپ نے بھی اسی کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔ اس لائن میں آپ نے کافی ترقی فرمائی۔ کاروبار کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کے علاوہ ایران، عراق، شام و عرب کے ملکوں کو آپ کے ہاں سے مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ تجارت میں صفات دیانت و

امانت کے اعتبار سے آپ کا کاروبار ممتاز شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض اہل قلم نے آپ کی تجارت کے طرز کو صدیق اکبرؓ کی تجارت سے مشابہ قرار دیا ہے۔ وسیع تر کاروبار نے آپ کو غیر معمولی طور پر مصروف کرلیا تھا۔ ہر وقت اسی کی دیکھ بھال اور حساب کتاب میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن اسی سلسلہ میں کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں امام شعبیؒ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے الامام الاعظمؒ کے چہرہ پر علم وفہم، دانائی وہوشیاری، ذہانت وذکاوت، ورع وتقویٰ کے مہر تاباں کو دیکھ کر ان سے ارشاد فرمایا :

''صاحبزادے کہاں گھومتے رہتے ہو''؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت تجارت کے سلسلہ میں سوداگروں کے پاس آمدورفت رہتی ہے۔ امام شعبیؒ نے فرمایا : ''علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو''؟ فرمایا حضرت بہت کم۔ فرمایا : ''ان کے پاس بکثرت جایا کرو''۔

تحصیل علم :

الامام الاعظمؒ کا کہنا ہے کہ : ''اس کے بعد سے میرے دل میں حصول علم کا ذوق پیدا ہوگیا''۔ چنانچہ آپ نے اس جانب توجہ فرمائی اور وقت کے مروجہ علوم حاصل کئے۔ خصوصاً علم کلام میں آپ نے کافی درک ومہارت حاصل کی اور مختلف موضوعات پر مناظرے ہونے لگے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے بصرہ ـــــ جو کہ فرق باطلہ اور گمراہ مناظرین کا گڑھ تھا ـــــ کی جانب بیس مرتبہ سفر فرمایا اور بڑے بڑے مناظروں میں حصہ لیا۔ یوں تو آپ اس میں کافی مشہور اور مقبول ہوتے جارہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے کسی عظیم وکریم کام لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ چنانچہ کچھ مدت میں آپ کا رجحان علم فقہ کی طرف ہوگیا۔ واقعہ اس کی تحریک کا یہ بتایا جاتا ہے کہ الامام الاعظمؒ ایک مرتبہ دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی عورت نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ اس سے واقف نہ تھے۔ آپ نے امام حمادؒ کی طرف بھیجا اور کہا : ''واپسی میں ہمیں بھی بتا جانا'' وہ عورت واپس آئی اور مسئلہ بتا کر چلی گئی۔ لیکن اس باب میں اپنی لاعلمی کا آپ کو بے حد افسوس رہا اور اسی وقت سے آپ نے مشہور محدث معروف استاد وامام حمادؒ کے درس میں شرکت شروع فرمادی۔ امام

حمادؒ حضرت انسؓ بن مالک سے براہ راست سماعت فرمائے ہوئے اور ابن مسعودؓ کی فقہ کی سند مانے جاتے تھے۔ اولاً آپ کو بائیں جانب مبتدیوں کی صف میں بٹھایا گیا لیکن بہت جلد امام حمادؒ نے تاڑ لیا کہ ذہانت اور فقاہت میں ابوحنیفہؒ کے درجہ کا ایک بھی طالب علم نہیں۔ اسی لئے آپ کو صف اول میں بٹھایا جانے لگا۔ دو ہی برس میں آپ نے اس نازک ترین فن میں اس قدر مہارت حاصل فرمالی کہ خود آپ کا بیان ہے : ''دو برس کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں خود درس شروع کردوں''۔ مگر استاد کا ادب مانع ہوا، اس لئے آپ استفادہ ہی فرماتے رہے۔ دوران طالب علمی ہی سے آپ کا انداز فکر اور طرز استدلال مجتہدانہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام حمادؒ کے ساتھ آپ کسی سفر میں تشریف لے گئے۔ اثناء راہ میں نماز عصر کا وقت ہوگیا۔ پانی موجود نہیں تھا۔ اس لئے امام حمادؒ نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی۔ مگر آپ نے نماز نہیں ادا کی۔ آپ کا خیال تھا کہ آخر وقت مستحب تک پانی کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنا چاہئے۔ آگے چل کر پانی مل گیا اور آپ نے وضو کرکے نماز پڑھی۔ استاذ محترم نے شاگرد کے اس فقہی وفکری پرواز کی داد دی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس کے باوجود آپ اپنے اساتذہ کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ساری زندگی میں کبھی ان کے گھر کی طرف پیر نہیں پھیلایا۔ خود فرماتے تھے : ''میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد والدین اور اساتذہ کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو''۔

فقہ میں ویسے تو آپ خصوصی طور پر امام حمادؒ ہی کے شاگرد تھے لیکن عموماً آپ نے بہت سے اساتذہ علم وفن سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ آپ کے اساتذہ کی تعداد تین سو کے قریب بتائی گئی ہے۔ خود یہی بات آپ کے مقام علم کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

تدوین فقہ :

بلاشبہ الامام الاعظمؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنھیں فقہ اسلامی کے قوانین کے مدون ومرتب کرنے کا شرف سب سے پہلے حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری کا ربع اول مذہبی اعتبار سے بڑے انتشار واختلاف کا زمانہ ہے۔ خشیت وانابت تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جارہی تھی، احکام شریعت کو اہل ہوا وہوس نے کھیل بنا رکھا تھا۔ اہل علم حضرات کے مابین بھی شدید وکثیر اختلافات پیدا ہوگئے

تھے۔ بعض حضرات صرف ظاہر حدیث پر عمل کو ضروری اور قیاس واجتہاد کو حرام قرار دیتے تھے۔ ایک جماعت ان حضرات کی تھی جو روایت و درایت کو یکجا کرنے کے قائل تھے۔ ان ہی خوش قسمت نفوس میں الامام الاعظمؒ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان اختلافات کا سب سے زیادہ نقصان عوام الناس کو ہوا۔ قاضیوں کے متضاد فتاوٰی و فیصلوں سے عوام میں عجیب طرح کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ الامام الاعظمؒ ان پریشان حالات کو بہ چشم خود ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان حالات کے ازالہ اور خاتمہ کے لئے آپ شدت سے ضرورت محسوس فرماتے رہتے تھے کہ فقہ اسلامی کی باضابطہ اور باقاعدہ تدوین ہونی چاہئے تاکہ عوام الناس کو مسائل کے جاننے اور عمل کرنے میں دشواری نہ ہو تو دوسری طرف قاضیوں اور مفتیوں کو مسائل کے سمجھنے اور فتاوٰی و فیصلوں کے جاری کرنے میں وقت اور اشتباہ و اختلاف نہ پیدا ہو۔ اُمت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے تدوین فقہ کی جانب توجہ فرمائی۔ پہلے اس کام کے لئے کئی مقامات کے بارے میں سوچا گیا لیکن بہت سی مصلحتوں اور سہولتوں کے پیش نظر کوفہ ہی کو اس کے لئے ترجیح دی گئی۔ پھر آپ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے ذی لیاقت و باصلاحیت چالیس علماء کا انتخاب فرمایا جن میں ماہرین حدیث، ماہرین قیاس و اجتہاد، ماہرین لغت و عربیت اُونچے درجہ کے اصحاب زہد و تقویٰ تھے اور اپنے اپنے فن میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ پھر اس میں سے بارہ خصوصی حضرات پر مشتمل مجلس خصوصی بنائی۔ یہ حضرات ایک جگہ جمع ہوتے تھے۔ آپ ایک ایک جزیہ کو پیش کرتے اور اس پر بحث شروع ہو جاتی جب سب متفق ہو جاتے تو اس مسئلہ کو لکھ لیا جاتا بعض مرتبہ ہفتوں، مہینوں بحث چلتی اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچتے تو خود الامام الاعظمؒ اس پر جامع و مانع تقریر فرماتے جس کو سب ہی قبول کر لیتے۔ پھر بھی اگر کسی کو اپنی رائے ہی پر اصرار ہوتا تو اسے بھی قلم بند کر لیا جاتا۔ اسی طرح بائیس سال کی طویل مدت میں تراسی ہزار دفعات پر مشتمل ایک کتاب فقہ تیار ہوگئی۔ یہ کام اگرچہ ۱۴۴ھ سے قبل ہی ختم ہوگیا تھا تاہم اس کا سلسلہ چلتا ہی رہا۔ تا آنکہ آپ گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے اور اس مبارک کام کا سلسلہ وہاں بھی قائم رہا۔ پوری اُمت کا فرض ہے کہ اس عظیم کارنامہ کی تکمیل پر خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے الامام الاعظمؒ کے حق میں دست بدعا رہے۔

الامام الاعظمؒ کے اس فقہی کارنامہ کی عنداللہ مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آج ایک محتاط اندازے کے موافق عالم اسلام کا دو تہائی حصہ اسی فقہ کی تقلید کرتا ہے۔

اوصافِ حمیدہ :

اسلام کے اس سوادِ اعظم کی ذاتی خوبیوں اور محاسن اور کمالات کے تذکرے کے لئے دفاتر وذخائر درکار ہیں۔ لیکن بات ختم کرنے سے قبل جی چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تذکرہ ان خوبیوں کا بھی آجائے جو الامام الاعظمؒ کی ذات میں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ودیعت فرمائے تھے —— آپ فطرۃً حسین و جمیل تھے۔ حسن و جمال کے ساتھ نزاکت و نظافت کا علاقہ تو ہمیشہ ہی سے قائم ہے، لیکن حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کم جمع ہوتے ہیں۔ الامام الاعظمؒ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بھی رکھی تھی۔ آپ نہایت ملنسار، خوش گفتار اور باوقار تھے۔ خودداری کی زندگی گذارتے تھے، دولت تو آپ کے گھر کی چیز تھی لیکن نخوت و کبر کی بو بھی آپ میں نہ تھی۔ غریبوں کے مددگار اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔ خصوصاً طلبہ کی دیکھ بھال اور ان کی حوائج و ضروریات کی برابر فکر فرماتے رہتے تھے۔ جن خوش نصیبوں کو آپ کے زیر کفالت علم حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں آپ کے مایہ ناز شاگرد امام محمدؒ بھی ہیں، وہی امام محمد جن کی سیر کبیر کو پڑھ کر ایک غیر مسلم اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا علم و فضل میں یہ حال ہے تو ان کے بڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہوگا؟ اور ہم کہتے ہیں شاگرد کے علم و فضل کا یہ عالم ہو کہ ایک غیر مسلم اس کی تحریروں کے ذریعہ نور ایمان سے منور ہو جائے تو استاذ کے علم و فضل کا کیا حال ہوگا؟ آپ کی صفات حسنہ میں امانت و دیانت، پڑوسیوں سے حسن سلوک، والدین اور اساتذہ کے احترام کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح شب بیداری اور تہجد گزاری، کثرت تلاوت، کثرت صوم، تدبر فی القرآن، مراقبہ موت و فکر آخرت، باوضو رہنے کا اہتمام، زہد و تقویٰ میں بھی آپ کی مثال کم ہی ملے گی۔

ایامِ آخریں :

دُنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہے نہ رہے گا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دُنیا

سے ایک مدت کے بعد پردہ پوش ہو گئے تو اوروں کا کیا شمار۔ بہر حال الامام الاعظمؒ کے لئے بھی ایک وقت مقرر تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم، عبقری شخصیت سے جو کام لینے کا ارادہ فرمایا تھا اس کی بھی تکمیل ہو رہی تھی۔ موت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے۔ ۱۴۹ھ میں جب خلیفہ منصور نے الامام الاعظمؒ کے سامنے قضاۃ کا عہدہ پیش کیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس انکار کی وجہ یہی تھی کہ اس زمانے میں ظالم بادشاہ نے عدلیہ پر اپنا کنٹرول کر رکھا تھا اور قضاۃ کو فیصلہ کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ انھیں ظالم و مظلوم، حق دار یا غیر مستحق کی تمیز کے بغیر حکام کے اشاروں پر فیصلے کرنے ہوتے تھے۔ جب آپ نے انکار فرمادیا تو منصور کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور اس نے آپ کو گرفتار کروا کے جیل بھیج دیا جب آپ کی گرفتاری کی شہرت ہوگئی تو لوگ اسی حال میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی میں افادہ و استفادہ کا سلسلہ شروع ہو گیا، چار سال الامام الاعظمؒ اس ظلم و استبداد کا شکار رہے۔ روزانہ آپ کو کوڑے لگا کر عہدۂ قضاۃ کی قبولیت پر مجبور کیا جاتا۔ مگر اس سلسلہ میں آپ قوی العزم تھے اور تمام حالات کا سامنا کرنے مگر عہدہ قبول نہ کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

ادھر دن بدن الامام الاعظمؒ کی مقبولیت جیل میں مقید ہونے کے باوجود بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس واقعہ نے آپ کی عظمت و اکرام، عقیدت و احترام کو مزید تر کر دیا۔ اس لئے منصور کو کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ بالآخر اس نے الامام الاعظمؒ کو زہر دلوادیا۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو سجدہ شکر بجالائے اور جان جانِ آفریں کے سپرد فرمادی۔

وفات :

یہ حادثہ فاجعہ ماہ شوال ۱۵۰ھ بروز جمعہ کو پیش آیا۔ الامام الاعظم کی وفات کی خبر دیکھتے دیکھتے سارے شہر میں پھیل گئی لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ آپ کے ایک استاد نے باچشم نم آپ کو غسل دیا اور انھوں نے ہی آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی جس میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے۔ اس کے بعد پانچ مرتبہ اور نماز پڑھی گئی۔ آپ کی قبر شریف آپ ہی کی وصیت کے موافق خیزران کے مقبرہ میں بنائی گئی۔ تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ کی مزار پر بعد میں بعض سلاطین نے مقبرہ تعمیر کیا!

خراج عقیدت :

عالم اسلام کی جن ممتاز شخصیتوں نے الامام الاعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس کی چند مثالیں بھی ہدیہ ناظرین ہیں :

☆ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں : ''زہد و تقویٰ اور علم میں امام ابوحنیفہؒ اس مقام پر ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچ سکا'' ☆ امام مالکؒ فرماتے ہیں : ''ابوحنیفہؒ کو کیا سمجھتے ہو، وہ بڑے فقیہ ہیں۔ ابوحنیفہؒ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں'' ☆ امام شافعیؒ فرماتے ہیں : ''جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہیں دیکھا وہ عالم فقہ نہیں ہو سکتا'' ☆ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں : ''امام ابوحنیفہؒ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹی ہیں'' ☆ سفیان بن عیینہؒ : ''ہم سمجھتے تھے کہ ابوحنیفہؒ کا فقہ کوفہ سے باہر نہ نکل سکے گا۔ مگر ہم نے دیکھ لیا کہ وہ آفاق میں پہنچ گیا ہے'' ☆ حارث بن داؤدؒ : ''اہل اسلام پر امام ابوحنیفہؒ کے لئے دعا کرنی لازم ہے کیوں کہ انھوں نے آثار و احادیث کو ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اگر کسی کو احادیث و آثار کی باریکیاں جاننی ہو تو اس کے لئے ابوحنیفہؒ ہیں'' ☆ امام بخاریؒ کے استاد مکی ابن ابراہیمؒ فرماتے ہیں : ''امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم و زاہد ہیں۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھا ہوں لیکن میں نے کسی کو امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر متقی نہیں پایا۔

حقیقت اعتراضات :

یوں تو اہل دنیا کے اعتراضات سے حضرات انبیاءؑ کے نفوس قدسیہ و ذوات عالیہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ اوروں کا کیا شمار و قطار؟ اس لئے یہ مسئلہ کچھ بہت قابل اعتناء نہیں۔ تاہم اگر ہم الامام الاعظمؒ کے ناقدین و معترضین کا سرسری جائزہ لیں تو ان میں اکثر تو وہ ہیں کہ جن کے اعتراضات کی حقیقت الامام الاعظمؒ کی سبقت و اولیت، ان کے فقہ کی اہمیت، ان کے لئے امامت عظمیٰ کی خصوصیت، عالم اسلام کے ایک بڑے حصہ میں ان کے مسلک کی ترویج و قبولیت پر حسد امن

عند انفسهم سے زیادہ نہیں۔ البتہ ان میں ایک چھوٹی سی تعداد ایسے ناقدین کی بھی ہے جن کے اعتراض و تنقید سے اعراض نہیں کیا جا سکتا، لیکن علمائے احناف کے متقدمین و متاخرین بلکہ غیر حنفی مصنفین و محقق مورخین نے بھی ان بزرگوں کے اعتراضات کو تحقیق و انصاف کی میزان میں رکھ کر بدلائل واضحہ ثابت کر دیا کہ اس کا سبب صرف الامام الاعظمؒ کی جلالت علمی و منصب دینی سے ان کی بے خبری، ہم کنیت و ہم نام معاصرین کی زیادتی، اعداء و حاسدین کی قلمی و لسانی بے باکی تھا جو ان حضرات کی الامام الاعظمؒ کے بارے میں غلط فہمی و بدظنی کا باعث ہوا۔

هذا ما اعرف وافهم، واللہ تعالیٰ اعلم واحکم۔

□□□